ڈاکٹر سید سلمان علی

خاطر غزنوی کا غیر مطبوعہ مکتوباتی سفر نامۂ چین

(۱)

محمد ابراہیم بیگ (خاطر غزنوی) [۱۳ اکتوبر ۱۹۲۵ء۔ ۷ جولائی ۲۰۰۸ء] پشاور میں پیدا ہوئے۔ خیبر پختونخوا کے علمی و ادبی اُفق پر ان کی پوری ادبی زندگی انتہائی بھرپور اور متحرک رہی ہے۔ جس کی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان کو اچھی خاصی پذیرائی ملی۔ شعبۂ اُردو، جامعہ پشاور کے ساتھ ان کا ایسا اٹوٹ تعلق رہا ہے کہ شعبے کی تاریخ ان کے بغیر اور ان کی تاریخ شعبے کے بغیر ناممکن ہے۔

جامعہ پشاور میں شعبۂ اُردو کا قیام ستمبر ۱۹۵۶ء میں ہوا مگر باقاعدہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو عمل میں آیا۔[۲] اس زمانے میں ایم اے اُردو سال اوّل کو پڑھانے کے لئے صرف ایک ہی استاد موجود تھے اور وہ طاہر فاروقی صاحب تھے۔ اور اس طرح جن دو طالب علموں کو اس پہلی تاریخی کلاس میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ان میں ایک خاطر غزنوی اور دوسرے مرتضیٰ اختر جعفری تھے۔ خاطر صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے پہلی پوزیشن کے ساتھ ساتھ طلائی تمغہ بھی حاصل کیا۔ بعد ازاں شعبۂ اُردو میں پڑھانے کے علاوہ ۱۹۸۴ء میں کچھ عرصہ کے لئے صدر شعبہ کے فرائض بھی انجام دیئے اور اسی سال اکادمی ادبیات اسلام آباد میں ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر بھی تعینات رہے لیکن جلد ہی ملائیشیا چلے گئے جہاں ملایا یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو، مطالعہ پاکستان چیئر پر تقریباً چار برسوں تک کام کرتے رہے۔[۳]

خاطر غزنوی نے ادبیات و فنون کے بیشتر شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے فوٹو گرافی اور بت تراشی سے لیکر شاعری و نثر وغیرہ میں ان کی تخلیقات کی فہرست کافی طویل ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں کے بورڈ آف سٹڈیز کے ممبر اور علمی و ادبی محفلوں کے نہ صرف سرگرم رُکن رہے بلکہ متعدد کانفرنسوں اور سیمی ناروں میں شرکت بھی کی جہاں مختلف موضوعات پر ان کے پُر مغز علمی و ادبی اور تحقیقی مقالات کو سراہا گیا۔ حکومتِ پاکستان نے جہاں ایک طرف ان کی علمی و ادبی خدمات کے صلے میں تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا تو دوسری طرف مختلف ادبی تنظیموں اور اداروں نے بھی خاطر صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا جن میں قرطبہ یونیورسٹی، ڈی آئی خان کی طرف سے اپریل ۲۰۰۸ء کو پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری بھی شامل ہے جو خاطر صاحب کو اردو ادب میں ان کی گراں قدر خدمات کے صلے میں دی گئی۔

خاطر صاحب ۱۹۶۵ء میں جامعہ پشاور سے وظیفہ لے کر چین چلے گئے، جہاں سے چینی زبان میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ دورانِ قیام انھوں نے اپنے بہت سے دوستوں اور جاننے والوں کو وقتاً فوقتاً خطوط لکھے۔ ان تمام خطوط کا زمانہ وسط دسمبر ۱۹۶۵ سے ۱۹۶۶ء تک ہے جس میں ان کے چین میں شب و روز کا ذکر ہے۔ ان کا یہ سفر نامہ چوں کہ مکتوباتی ہے اس لئے جہاں ایک طرف تکنیکی اعتبار سے ندرت کا حامل ہے وہاں دوسری طرف ادبیاتِ خیبر پختونخوا میں اس حوالے سے پہلا سفر نامہ بھی ہے جو اس تکنیک میں سامنے آتا ہے۔

اس مکتوباتی سفرنامے میں مکتوب الیہ کی کل تعداد ۱۴ ہے۔ جن کے نام ۲۵ مکاتب سامنے آتے ہیں جو اس ترتیب سے ہیں۔

محسن احسان، مختار صدیقی، فارغ بخاری، مولانا عبدالقادر، تاج بعید، سلیم گیلانی، شہزاد، یاران ہمہ شب، اور اپنے بچوں کے نام ایک ایک خط، عبدالستار جوہر پراچہ اور مولانا فضل منان کے نام، دو دو مکاتیب، حمید اللہ صراف کے نام تین میاں سعید الرحمان کے نام چودہ اور طاہر فاروقی کے پانچ مکاتیب شامل ہیں۔

میاں سعید الرحمٰن صاحب کے بار بار اکسانے پر خاطر صاحب نے ان تمام مکاتب کا ایک مسودہ تیار تو کر لیا مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی کیوں کہ آخری زمانے میں خاطر صاحب کو مختلف قسم کی بیماریوں نے کافی پریشان کر رکھا تھا اور ان کا زیادہ تر وقت ہسپتال میں گزرا۔ ان کی وفات کے بعد تو یہ سلسلہ اور بھی کٹھائی میں پڑ گیا لیکن میاں صاحب کی علم و دوستی اور ادب نوازی کی بدولت یہ مسودہ محفوظ رہا۔

ڈاکٹر تحسین فراقی نے ''مکاتب مشفق خواجہ بنام تحسین فراقی'' کی ترتیب و حواشی مرتب کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کی ہے۔

> ''مکتوب نگار کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اس کے صرف ایسے مکاتب شائع ہونے چاہئیں جن میں کسی علمی، ادبی، شخصی، تاریخی، نفسیاتی، روحانی، فکری، سماجی یا تہذیبی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔''[۳]

فراقی صاحب کے اس خیال سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ کسی بھی مکتوب نگار کے مکاتیب کی اہمیت کا اندازہ مذکورہ بالا جہتوں کے انکشاف کی روشنی میں ہی تو کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے اگر ہم خاطر صاحب کے مکاتیب کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان تمام مکاتیب میں جہاں خاطر صاحب کی شخصی زندگی آشکار ہوتی ہے تو وہاں چینی معاشرے کی پوری تصویر بھی بھرپور انداز میں سامنے آتی ہے جس سے چینی قوم کی محنت اور مسلسل آگے بڑھتے رہنے کا راز بھی کھل جاتا ہے۔

خاطر صاحب کا املا اور جملوں کو حتی الوسع ''جیسے ہے جس طرح ہے'' رہنے دیا ہے تاکہ ان کی تحریر اور املا اپنے ہی رنگ میں محفوظ رہے۔ مسودے کے اندر باقاعدہ انتساب بھی ہے جو میاں سعید الرحمٰن کے نام ہے لیکن سفرنامے کا عنوان نہیں۔ البتہ ''سفرنامہ'' کے عنوان کے تحت ایک پیش لفظ ضرور ہے جس میں خاطر صاحب نے اپنے سفر چین کی غرض و غایت بیان کی ہے۔

(۲)

خاطر صاحب کے اس مکتوباتی سفرنامے میں مکتوب الیہ کی کل تعداد چودہ ہے ملاحظہ کیجئے ان کے مختصر کوائف۔

محسن احسان: (۱۹۳۰-۲۰۱۰)۔ نام احسان الٰہی۔ تخلص محسن۔ اسلامیہ کالج پشاور میں انگریزی زبان و ادب کے استاد تھے اور اردو زبان کے بڑے اچھے شاعر تھے جامعہ پشاور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔[۵]

طاہر فاروقی: (ستمبر ۱۹۰۵-۱۹۷۸) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی علم و ادب کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ رام پور (یوپی) میں پیدا ہوئے شعبۂ اُردو، جامعہ پشاور کے پہلے استاد تھے۔ ۱۹۶۲ء میں صدر شعبہ بھی رہے۔ سیرت اقبال پر پہلی کتاب طاہر فاروقی صاحب نے لکھی شعبۂ اُردو کا مجلّہ ''خیابان'' کا پہلا شمارہ بھی ان کی نگرانی میں منظر عام پر آیا۔[۶]

مولانا فضل منان:۔ (۱۹۲۵-۱۹۹۰) یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار پشاور کے مالک علم دوست اور علم پرور انسان ہیں۔ خاطر صاحب کے قریبی احباب میں ان کا شمار ہوتا ہے۔[۷]

عبدالستار جوہر پراچہ: (۱۹۳۸-۱۹۹۷) خیبر پختونخواہ کے علاقے کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں شعبۂ اُردو کے تدریسی عملے میں شامل ہوئے شعبۂ اُردو، جامعہ پشاور کا پہلا پی ایچ ڈی مقالہ لکھنے کا اعزاز بھی پراچہ صاحب کو حاصل ہے۔ نیپال، مصر، دمشق، عمان، سعودی عرب کے مختلف اداروں اور جامعات میں اردو کا نصاب مرتب کیا اور پڑھایا۔۸

حمید اللہ خان صراف: (۱۹۲۷-۱۹۸۲) پشاور کے معروف اور ممتاز مسلم لیگی کارکن تھے۔ آل پاکستان صراف ایسوسی ایشن کے وائس چیئرمین اور اُس وقت کے صوبہ سرحد شاخ کے صدر تھے انتہائی محبِ وطن اور مخلص انسان تھے اور پاکستان کے دوست ممالک سے بھی محبت کرتے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں جب انڈونیشیاء کے صدر سوئیکارنو نے پاکستان کی مدد کی تو حمید اللہ صاحب بڑے خوش ہوئے اور خیبر بازار چوک کا نام سوئیکارنو چوک رکھنے کا مطالبہ کیا یہ مطالبہ فی الفور منظور ہوا۔۹

تاج سعید:۔ (۱۶ ستمبر ۱۹۳۳-۲۰۰۲) تاج محمد نام اور سعید تخلص تھا۔ بڑے اچھے شاعر اور ادیب تھے اور ادبی حوالے سے انتہائی متحرک شخصیت کے مالک ماہ نامہ ''قند'' اور ''جریدہ'' ایسے ادبی رسائل ہیں جو تاج سعید کی ذہنی اُپج اور بلند ہمتی کی داستان اور ان کی پہچان ہیں۔۱۰

شہزاد:۔ خاطر صاحب کے مہربان دوستوں میں ان کا شمار ہوتا ہے سائیکل کے کاروبار سے وابستہ رہے۔

فارغ بخاری:۔ (۱۹۱۸-۱۹۹۷) میر احمد شاہ بخاری نام تھا اور فارغ تخلص۔ خیبر پختونخوا کے ادب میں آپ کا بڑا نام ہے جن کا ترقی پسند تحریک سے بڑا قریبی تعلق رہا، بہ کثرت کتابیں لکھی اور مرتب کیں کئی ایک ادبی رسائل و جرائد کے مدیر بھی رہے۔۱۱

مولانا عبدالقادر:۔ (۱۹۰۵-۱۹۶۹) خیبر پختونخوا کے علاقے بابڑے گدون، ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فلیڈ مارشل محمد ایوب خان کے کلاس فیلو بھی رہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب پشتو اکیڈمی قائم ہوئی تو انھیں اس ادارے کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں شعبۂ اُردو کی صدارت کی اضافی ذمہ داری بھی نبھائی۔ پشتو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ علمی و ادبی اور تحقیقی حوالے سے ان کا کام وقیع ہے۔ پشتو اکیڈمی کے قریب قبرستان میں مدفون ہیں۔۱۲

میاں سعید الرحمٰن:۔ (۱۹۳۰----) میاں سعید الرحمٰن کا تعلق بٹالہ (گورداسپور) فیملی سے ہے مگر ان کی پیدائش پشاور میں ہوئی میٹرک کے بعد ان کے خاندانی کاروبار کی وجہ سے ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن علمی و ادبی ذوق مسلسل پروان چڑھتا رہا اور اس طرح ان کی دکان ادبی حلقوں کی قیام گاہ بن گئی میاں صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ۸۲ سال ہے مگر اب بھی علم و ادب کے محققین کے لئے اپنے دروا کیے ہوئے ہیں۔۱۳

سلیم گیلانی:۔ (۱۵ اکتوبر ۱۹۲۸-۲۵ دسمبر ۲۰۰۸ لاہور) سابق ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان خاطر صاحب کے رفیق کار اور قریبی احباب میں سے تھے۔ مدفون اچھرہ قبرستان لاہور۔۱۴

یاران ہمہ شب:۔ میاں سعید الرحمٰن صاحب کے نجی کتب خانہ میں ادیبوں اور شاعروں کا آنا جانا تو لگا رہتا تھا مگر اس کے ساتھ قصہ خوانی میں ان کی دکان پر بھی یہ سلسلہ جاری رہتا اسی یاروں کی مجلس کو ''یارانِ ہمہ شب'' کا نام دیا گیا روزانہ یہ مجلس جمتی تھی اور اس میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر فاروقی، ڈاکٹر بشیر، آغا سید لال شاہ، جگر کاظمی، کوکب تبریزی، محمود انور، شفقی صاحب، آغا سید ضیا جعفری، نذیر مرزا برلاس، شمیم بھیروی، ڈاکٹر مرتضیٰ اختر جعفری، پروفیسر محسن احسان، فارغ بخاری، رضا ہمدانی، پروفیسر خاطر غزنوی وغیرہ شرکت کے لئے آتے تھے۔۱۵

مختار صدیقی:۔ شاعر، ادیب ایک زمانے میں ریڈیو پاکستان، پشاور سے وابستہ رہے۔ خاطر صاحب کے ساتھ پرانی یاداللہ تھی۔

سفرنامہ

1965ء میں عوامی جمہوریہ چین نے چینی زبان کی تعلیم کے لئے چند وظائف پاکستان کو بھی دیئے لیکن اس کے لیے شرط یہ تھی کہ یہ وظائف پاکستانی یونیورسٹیوں کے زبان کے اساتذہ کو دیئے جائیں۔

ان ہی دنوں میرا نام ترکی اور روسی زبان کی تحصیل کے لئے ایک سرکاری وظیفہ کے لئے زیرغور تھا، چینی زبان کے وظیفہ کی پیش کش سے پشاور یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد اور خصوصی طور پر میرے مرحوم استاد گرامی ڈاکٹر مظہر علی خان اور انجینئرنگ کالج کے اور بہت ہی محترم پرنسپل درانی صاحب (اب مرحوم) کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور میرا نام روس اور ترکی کے بجائے چین کے لئے حکومت پاکستان کو بھیج دیا گیا' ساری باتیں طے ہوگئیں اور ستمبر میں مجھے چین جانے کی تیاری کی ہدایات ملیں لیکن اسی سال بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا جنگ ختم ہو چکی لیکن اس خیال سے کہ تعلیمی سال ستمبر میں شروع ہوتا ہے۔ اس وظیفے کی بیل کے منڈھے چڑھنے کی امید ختم ہوگئی۔ لیکن ہوا یوں کو اچانک دستمبر میں وزارت تعلیم کی طرف سے اطلاع ملی کہ چین کے مسافر اسی سال عازم سفر ہوں گے۔

وزارت کی سفارش پر فوری طور پر پاسپورٹ کا بندوبست بھی ہو گیا سفارتخانہ چین نے ویزا اور پی آئی اے کا ٹکٹ بھی بھجوا دیا اور آخری تاریخ کا بے صبری سے انتظار کرنے کی ہدایت کی گئی۔

وسط دسمبر کی ایک روشن صبح کو ائیر پورٹ پر میرے سب بزرگ' اہل وعیال' دوست احباب اور شاگرد جمع تھے۔

تازہ پھولوں کے ہاروں اور گرم گرم آنسوؤں سے تر آنکھوں نے مجھے رخصت کیا ایک رات لاہور میں گزاری اور دوسرے دن صبح کراچی روانہ ہوا ائیر پورٹ پر کشور ناہید مجھے الوداع کہنے آئی ایک دن اور ایک رات کراچی میں گزار دی۔ دوسری صبح اندھیرے منہ کراچی سے چلا' نامہ نویسی کا کام لاہور سے ہی شروع ہو گیا تھا' لاہور' کراچی' کولمبو' ڈھاکہ اور کینٹن کے ہوائی اڈوں سے سفر کی تفصیلات کراچی' لاہور اور پشاور کے دوستوں کو بھیجیں اور پھر چین میں پیکنگ کے قیام اور دوسرے شہروں کو سیر کے دوران خطوط میرے سفر' تاثرات اور مشاہدات کی زبان بنتے رہے۔ دراصل یہ خطوط ایک سفرنامے کے اجزاء تھے وہ یوں کہئے کہ یہ ایک مکتوبی سفرنامہ بنا۔ ان خطوط کو مشاہدے اور فوری تاثر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے ان میں کئی باتیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں حقائق اور حالات کا پس منظر بعد میں معلوم ہوا اور اس لئے یہ وقتی اور ہنگامی تاثر بعد میں باطل ثابت ہوا' بہرصورت جو باتیں میں نے فوری طور پر محسوس کیں اور بے کم وکاست ان کے بارے میں دوست احباب کو لکھا ان کو من وعن اس مکتوبی سفر نامے میں پیش کر رہا ہوں ان میں باوقار' محنتی اور خود کفیل قوم کی ترقی کا پس منظر کسی حد تک آپ کے سامنے آئے گا۔

اگر ان خطوط سے چین کے بارے میں قارئین کو ایک آدھ بات بھی نئی مل گئی تو میں سمجھوں گا میری محنت اکارت نہیں گئی اس سفرنامے کے پیش لفظ کے طور پر پاکستان کے نامور شاعر وادیب اور صحافی وکالم نگار جناب احمد ندیم قاسمی کے مشہور کالم حرف وحکایت کا ایک تراشا شامل کیا جا رہا ہے' اس کالم کا تعلق بھی میرے ایک خط سے ہے جو میں نے چینی' اردو اور پنجابی کے ملتے جلتے الفاظ کے سلسلے میں ندیم صاحب کو لکھا تھا۔ اور اسے انہوں نے اپنے شگفتہ کالم کا موضوع بنایا تھا۔ چین کے بارے میں کئی سنجیدہ اور فکر انگیز باتیں تو مکتوبات کا موضوع ہیں چند باتیں مسکرانے کے لئے بھی سہی۔ میں جناب میاں سعید الرحمٰن کا بے حد شکر گزار ہوں۔

محسن احسان کے نام

پیکنگ

مارچ

اے مری جان عزیز

سناؤ کیا عالم ہے؟ میں نے جو خطوط لکھے ہیں مجھے یقین ہے تم نے پڑھ لئے ہوں گے اور میرے حالات سے آگاہ ہو چکے ہو گے' جیسا کہ میں نے پہلے لکھا تھا یہاں ہمارے آنے کے چند دنوں بعد یعنی 28 دسمبر 1965ء کو یہاں کے بہت بڑے ہال میں جسے گریٹ ہال کہا جاتا ہے اور جو واقعی دنیا کے عظیم ہالوں میں سے ایک ہے ہماری (یعنی غیر ملکی طلباء کی) دعوت ہوئی یہ دعوت چینیوں کے نئے سال کی خوشی میں تھی پہلے تو یہ سنو کہ یہ گریٹ ہال واقعی ایسا عظیم ہے کہ اس کی اب تک صرف تین منزلیں (اور وہ بھی ادھورے طور پر) دیکھ سکا ہوں گریٹ ہال کا بڑا کمرہ دس ہزار نفوس کے لئے کافی ہے دوسری منزل پر ایک بغلی کمرہ کھانے کے لئے مخصوص ہے یہ اتنا بڑا ہے کہ میزوں پر اطمینان سے پانچ ہزار آدمی کھانا کھا سکتے ہیں اس ہال میں ایک بہت بڑا اسٹیج ہے جس پر پانچ ہزار سائیکلیں ایک ساتھ گول چکر کاٹ سکتی ہیں پھر تیسری منزل پر ایک ہال ہے جس میں کوئی ڈیڑھ دو ہزار آدمی کھانا کھا سکتے ہیں اس ہال کے ساتھ ہی آڈیٹوریم ہے اس میں ایک ہزار آدمی اسٹیج ڈرامے اور مختلف جسمانی کرتب دیکھ سکتے ہیں یہاں پس منظر کے لئے قطعاً پردوں کی ضرورت نہیں۔ پس منظر کے لئے سلائیڈوں سے کمال ہنرمندی سے کام لیا جاتا ہے پس منظر کے سفید پردے سے ذرا آگے پروجیکٹروں سے سلائیڈ کا عکس ڈالا جاتا ہے جو سارے پردے پر قدرتی رنگوں اور مناظر کے ساتھ مطلوبہ پس منظر بناتا ہے لیکن ان مناظر میں ایک خوبی یہ ہے کہ یہ تصور کی طرح ساکت نہیں ہوتے بلکہ ان میں اس طرح حرکت رہتی ہے جس طرح آپ نے بعض جدید ٹیبل لیمپوں کے شیڈوں میں گرتے ہوئے آبشاروں اور تیرتی ہوئی مچھلیوں کا تاثر دیکھا ہوگا۔ بس اسی طرح پس منظر زندہ مناظر کا نمونہ دکھاتا ہے لیکن صرف یہی نہیں اس پس منظر میں ایک کمال یہ ہے کہ اگر پہاڑ دکھایا جاتا ہے تو بادل بھی دوڑ رہے ہوتے ہیں پس منظر کی جھیل میں پانی میں لہریں اٹھ رہی ہوتی ہیں اچانک آتش فشاں پہاڑ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے لاوا ابلتا ہوا جس کمال خوبی سے دکھایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سٹیج پر واقعی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہے اور سٹیج پر اس پس منظر کے آگے ایکٹر اپنا کام کئے جاتے ہیں ہماری نظریں بے قابو ہو جاتی ہیں سوچتے ہیں کہ کسے دیکھیں آتش فشاں پہاڑ کو یا ایکٹروں کے کام کو کیا کہوں' اسٹیج کرافٹ میں چینیوں کا جواب نہیں۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ اس عظیم ہال کی عظمت کی جھلک تم نے شاید پاکستانی وفود کے دورہ چین کی فلم میں دیکھی ہوگی ہم نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔ 28 دسمبر کو جو پارٹی ہوئی اس میں ہمیں خصوصی طور پر وزارت تعلیمات عالیہ کے نائب وزیر سے ملایا گیا پھر پیکنگ ریڈیو کے ایک بالکل تمہاری طرح کے چھوٹے سے چشموں والے نوجوان نے میری ایک تقریر ریکارڈ کی جو یکم جنوری 66ء کی بروز نشریات میں نشر ہوئی۔

یہاں ایک اردو نشریات کا پروگرام شاید جون جولائی میں شروع ہوا۔ کل گریٹ ہال میں ایک اور اجتماع ہوا یہ چین پاک دوستی انجمن کی طرف سے ایک دعوت تھی جو یوم پاکستان کے موقع پر پاکستانیوں کے اعزاز میں دی گئی اس میں اُس وقت کے وزیر خارجہ چن ای اور دوسرے وزراء اور بڑے بڑے زعماء نے شرکت کی ہم نے بھی وزیر خارجہ کے جام کے ساتھ اپنا فینٹے کا جام ٹکرا

کر پاکستان کی خوشحالی کا جام پیا، اور آج صبح اچانک ریڈیو پاکستان کی خبریں سننے کا اتفاق ہوا تو یہ خبر ریڈیو پاکستان سے بھی سن لی'
یہاں کی فلمیں' یہاں کی کہانیاں یہاں کے اُوپرا اور گانے' ناول' افسانے' نظمیں' گیت غرض ہر چیز کا موضوع ایک ہے یعنی چین کی جدوجہد آزادی اور ترقی کی کوششیں یہاں بالکل وہ عالم ہے جو پاکستان کا 6 ستمبر 1965ء سے 21 ستمبر تک تھا وہاں ہمیں اس وقت فلمی گانے زہر لگتے تھے یہاں عشق ومحبت وغیرہ کے موضوعات سے انہیں نفرت ہے انہیں صرف اور صرف آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے جذبے نے سرشار کر رکھا ہے۔ ہمارے لیے یہ ساری چیزیں فلم اُوپرا اور کتب وادب وغیرہ کی یکسانیت اور اس لئے بوریت کا سبب بن گئی ہے لیکن یہ لوگ ایسی چیزوں سے سبق حاصل کرتے ہیں اور یہی ان کی ترقی کا سبب ہے۔
اب تک بے پناہ سردی اور برف باری کی وجہ سے لوگ موٹے موٹے روئی دار اوور کوٹوں میں چھپے ہوئے تھے اب گرمی آرہی ہے یہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے سیب رفتہ رفتہ اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں تم یہاں ہوتے تو کوہ قاف کی پریاں دیکھ کر دیوانے ہو جاتے اور راستہ چلنا بھول جاتے کبھی ایک چہرے کو دیکھتے اور کبھی دوسرے چہرے کو اور لوگ تمہیں دیکھتے شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ بازاروں میں آج کل ہمارا بھی یہی حال ہے یعنی ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں اور لوگ ہمیں لمبی ناک والا جانور سمجھ کر دیکھتے ہیں۔

تمہارا

خاطر

پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پیکنگ

13 اپریل 66ء

مجھے یہاں چینی اساتذہ کو اُردو پڑھانے پر مامور کر دیا گیا ہے تین ہفتوں سے پڑھا رہا ہوں، اس سلسلے میں فی الحال کام اطمینان بخش ہے اللہ کرے مستقبل میں بھی سرخروئی حاصل ہو۔
میاں صاحب کا خط بھی آج ہی ملا' وہ غلط پتے والا خط بھی مل گیا مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ کا مقالہ ''اقبال کا تصور مرد مومن'' ہر جگہ پسند کیا گیا شکر ہے آپ نے مدت کے بعد اس طرف توجہ دی' اللہ کرے' آپ ایسے کچھ اور مقالات لکھیں' میرا خیال ہے کہ اگر ذرا سا برج کا وقت مقالہ نویسی کو دے دیں تو آپ کا اردو دان طبقے پر بڑا احسان ہوگا' ہمیں آپ کے خیالات کی کاغذ پر اشد ضرورت ہے اور زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ آپ اس سال سٹاف کلب کے اشتراک سے وہی رونق اور رنگ پیدا کر رہے ہیں اور آپ کی دعائیں مرے ساتھ بھی ہیں مزے کی ایک بات یہ ہے کہ اگلے ہفتے سید وقار عظیم' اعجاز بٹالوی' سید حسام الدین راشدی' ابن انشاء' جسیم الدین پرنسپل ابراہیم وغیرہ پیکنگ آرہے ہیں آج صبح ابن انشاء کا خط ملا' لکھتے ہیں کہ اس وفد میں میرا نام بھی تھا لیکن ناموں کی منظوری کے وقت پتہ چلا کہ میں تو ہر اول دستے کے طور پر پہلے ہی پیکنگ پہنچ چکا ہوں ان کی آمد سے اچانک ایک خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ عین یوم اقبال کے موقع پر پیکنگ آرہے ہیں' کیوں نہ ان کی آمد کا صحیح مصرف نکالا جائے' چنانچہ آج ہی میں نے پاکستانی سفارت کے فرسٹ سیکرٹری محمد یونس صاحب کو ٹیلی فون پر بتایا کہ میری یہ تجویز ہے کہ پیکنگ میں پہلی مرتبہ یوم اقبال منایا جائے' اقبال پر یہ بھی لوگ سند کا درجہ رکھتے ہیں انہوں نے یہ تجویز پسند کی اور کل بالمشافہ اس تجویز پر بات چیت کرنے کے لئے آنے کو کہا چنانچہ کل ہی سفارتخانے جا کر آپ کو یہ خطوط بھی بھجوا دوں گا اور یوم اقبال کی تفصیلات بھی طے کر

لوں گا آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو آپ کا لگایا ہوا کھجور کا درخت ''اس اندلس'' میں پھلے پھولے گا اللہ کرے ادھر آغا ایران میں اس کھجور کے پودے کو پانی دینے کی تیاری کر رہا ہوگا مجھے بھی آغا کا خط کل ملا ان کا میں نے کل ہی جواب دے دیا تھا اگر آج تک رُک گیا ہوتا تو یہ بات انہیں بھی لکھ دیتا۔

آپ نے حریت' مشرق' جنگ اور امروز میں مضامین لکھنے کو کہا ہے میں نے فی الحال دو مضامین امروز کے لئے ندیم صاحب کی وساطت سے بھیجے ہیں لیکن مجھے اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اسی طرح میری خط و کتابت سے شاید مہینوں گزر جائیں اور میری وہ حیرت جو آج کل معمول بن گئی ہے تو _____۔ آپ اپنے طور پر ندیم صاحب' حریت میں یوسف صدیقی' صاحب مشرق میں حمید اللہ جنرل منیجر اور جنگ میں میر خلیل الرحمان صاحب کو لکھ کر معلوم کیجئے اگر وہ مان گئے تو سبحان اللہ۔

میں پچھلے اتوار کو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک یعنی دیوار چین دیکھنے گیا واقعی یہ ایک عجوبہ ہے ساڑے چار ہزار میل لمبی پہاڑوں پر یہ دیوار انسانوں کا نہیں جنوں کا کام ہے' لیکن یہ کام صرف اور صرف چینی قوم ہی کر سکتی ہے اس جنوں کی قوم نے ایک اور یعنی دنیا کا آٹھواں عجوبہ بھی تیار کیا ہے اور وہ اسی کا حصہ ہے یعنی اس قوم نے آزادی 1949ء میں حاصل کی اور 1958ء میں یہ طے کیا کہ 1959ء میں پہلی دس سالہ سالگرہ کے موقعہ پر دس عمارات تعمیر کی جائیں اور یہ عمارات ان کے آزادی کے دن یعنی دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو مکمل ہو جانی چاہئیں' چنانچہ انہوں نے یہ دس عمارتیں دس ماہ کے اندر اندر تعمیر کر ڈالیں اگر ان عمارات کی تفصیل سنی جائے تو حیرت سے منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے یعنی ان میں سے ہر عمارت پاکستان میں تعمیر ہو تو دس سال سے کم میں تیار نہ ہوں گی مجھے یاد ہے پشاور یونیورسٹی کے کنووکیشن ہال کی چھت (صرف چھت) تین سال میں مکمل ہوئی تھی' ان دس عمارات میں سے ہر عمارت دیوزادوں کا کارنامہ ہے' عمارت یہ ہیں۔

(1) عوام کا عظیم ہال (2) تاریخ اور آزادی کا عجائب گھر (3) ریڈیو بیکنگ (4) قومیتوں کا تہذیبی مرکز (5) فوجی عجائب گھر (6) مزدوروں کا سٹیڈیم جس کے دو حصے ہیں' ایک اوپن ائیر اور ایک بند سٹیڈیم جس میں چالیس ہزار آدمی سما سکتے ہیں میں اب تک صرف سٹیڈیم میں دو مرتبہ جا چکا ہوں۔ کھلا سٹیڈیم ساتھ ہے لیکن موقع نہیں ملا کہ پوری طرح دیکھوں (7) سمندر پار چینیوں کا ہوٹل (8) زراعتی نمائش گاہ (9) بیکنگ ریلوے سٹیشن (10) بیکنگ تار گھر ان عمارات میں سے ہر ایک کی عظمت کشادگی اور رنگا رنگی کی تفصیل کے لئے الگ الگ مضامین کی ضرورت ہے' فی الحال میں نے بیکنگ ریلوے سٹیشن پر مضمون امروز کو بھیجا ہے شاید شائع ہوا ہو' قمر مرزا صاحب کو علم ہوگا ان کے پاس اخبارات باقاعدہ آتے ہیں۔

آپ کا نیازمند
خاطر غزنوی

مولانا فضل منان یونیورسٹی بک ایجنسی

پیکنگ
13 اپریل

محترم گرامی مولانا صاحب' السلام علیکم!

آپ کا خط اور خط میں مسافر خط ملا' سب حالات سے آگاہی ہوئی۔ آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ میں چینی زبان

میں پیکنگ اور چین لکھ کر آپ کو بھیجوں تا کہ آپ چینی زبان پر بھی کرم فرمائیں۔ یا حضرت آپ نے انگریزی میں کیا کرلیا جواب چینی زبان میں بھی طبع آزمائی کرنا چاہتے ہیں بہرحال آپ کی خوشنودی درکار ہے لیجئے پیکنگ چینی میں اس طرح 北京 اور چین اس طرح 中国 لکھتے ہیں۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ مولانا صاحب عید کے عید خط لکھا کرتے ہیں اور اب کے بڑی عید چھوٹی ہوتے ہوتے غائب ہورہی ہے لیکن فاروقی صاحب کے خط میں آپ کی یادآوری کی گواہی مل گئی آپ نے ثبوت بھی بھیج دیا لیکن اس میں رشید بے چارے کا کوئی قصور نہیں میں نے رشید کو اپنا پتہ لکھ بھیجا ہے وہ اس خط میں لکھا تھا جس میں میری بیماری کا حال تھا آپ نے میرے پوشیدہ حالات (جن کو میں نے اپنے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا تھا میرا خط میرے گھر بھیج کر افشاء کردیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خط (غالباً) میرے گھر ہی میں رہ گیا اور صرف میرا نام رشید کے ذہن میں رہ گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بے چارے کو جگہ جگہ ڈاک خانہ کی مہروں کی مار پڑتی رہی۔

آپ نے امروز کا کالم پڑھا شکر ہے بات آپ کے اور میرے درمیان رہی ورنہ وہ کہیں آپ کو ہوٹل کا دورازہ دکھا دیتا تو آپ قصوروار مجھے ہی ٹھہراتے' مہربانی ہوگی اگر وہ کالم مجھے بھجوادیں یہاں ذرا تفریح رہے گی ان الفاظ میں ایک نیا لفظ پڑھا یہاں ''خوا'' علاقے یا سمت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی ''چنگ خوا'' گویا ملک چین یا چین کی سرزمین بالکل ان ہی معنوں میں جس طرح پشتو میں ''خوا'' علاقے یا سرزمین کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مولانا عبدالقادر صاحب قبلہ کے لئے میں الفاظ جمع کررہا ہوں انہیں اس موضوع پر ایک مفصل خط لکھنے کا ارادہ ہے شکر ہے کہ نقوش والوں نے کتاب بھیج دی ہے اور یہ بھی اچھا ہوا کہ نقوش والی کتاب کا سرورق پہلے سے تیار تھا کیا رشید صاحب اب گیلری میں بیٹھا کرتے ہیں کیونکہ آپ نے اچانک خط میں ذکر کیا ہے۔ ''لیجئے مزہ آگیا رشید نے گیلری سے آواز دی'' اور واقعی رشید کی گیلری کی آواز پیکنگ تک پہنچ گئی۔

ہاں ایک دلچسپ بات اب کے آپ پھر بھول گئے اور خط کا صرف ایک صفحہ بھیجا دوسرا شاید یونیورسٹی بک ایجنسی کی میز پر رکھا رہ گیا ہے کیونکہ ایک صفحے پر خط اچانک ختم ہوجاتا ہے اور دوسرا صفحہ غائب ہے اور پہلے صفحے پر آپ کا نام دستخط وغیرہ کچھ نہیں' ازراہ کرم وہ دوسرا صفحہ جلد بھجوادیں تا کہ خط کا پورا لطف لے سکوں۔

آپ کہتے ہیں کہ سال دن کی طرح گزرتے ہیں یقین کیجئے یہاں دن سال کی طرح گزرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ آپ خط پر پتہ غلط لکھ دیتے ہیں' محسن احسان جیسے بے وفا دوست دوسری مصروفیات سے مجبور ہیں بعض خطوط راستے ہی سے غائب ہوجاتے ہیں یہاں جب ڈاک آتی ہے اور سب لوگ دو دو چار چار آٹھ آٹھ خطوط لے کر پاگلوں کی طرح خوشی سے ہنستے ہوئے لوٹتے ہیں تو میں انگاروں پر لوٹتا ہوں اور ہر شخص کے خط کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہوں کہ شاید کسی پر میرا نام لکھا ہوا اور جب ایسا نہیں ہوتا تو ہنستے ہوئے دوستوں کی نظر بچا کر اپنے آنسو پونچھنے کی کوشش کرتا ہوں حالانکہ میں نے سب احباب کو لکھا ہے کہ میرا خط ملے یا نہ ملے وہ مجھے کچھ نہ کچھ ضرور لکھتے رہا کریں۔ لیکن وہ بھی مجبور ہیں اس جدید دور میں کسی کو اتنی فرصت کہاں کہ بیکار وقت ضائع کرکے ایک دور افتادہ بے کار شخص کے لئے جس سے کسی قسم کا فائدہ پہنچنے کی امید نہیں خط لکھتے رہیں بہرحال میرے دوست بے شک مجھے بھول جائیں کوئی فرق نہیں پڑتا تین تین ہفتے میری ڈاک نہیں آتی تو کیا ہوا۔ اکیس اکیس دن میرے آنسو ان خطوط سے زیادہ تعداد میں آتے رہتے ہیں اور پھر نمکین آنسوؤں کی لذت' مولانا صاحب یہ لذت صرف اسی شخص کو محسوس ہوتی ہے جو غم کی لذت سے آشنا ہوتا ہے میں پاکستان میں زندگی بھر ہنستا رہا اور اس لذت سے محروم رہا اب اللہ نے آنسوباری کی لذت بھی عطا کردی ہے۔

دکان پر سعید صاحب اور ڈاکٹر صاحب بھی آتے ہوں گے سعید بڑا پیارا آدمی ہے اور واقعی دوستی کا حق ادا کرتا ہے میں اس کا بے حد شکر گزار ہوں اللہ کرے آپ کا سیزن لگے اور کاغذ کا کوٹہ بھی مل جائے۔

یہاں میں نے معلوم کیا ہے وزارت برآمدات دوسرے ملکوں کو کتابیں برآمد کرتی ہے جلدی ہی سفارت خانے کی وساطت سے وہاں جا کر آپ کے لئے کتابوں کی درآمد کے سلسلے میں بات کروں گا' لیکن یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہئے کہ فیروز سنز پہلے ہی چین سے کتابیں درآمد کر رہا ہے کیا اس سے کچھ فرق تو نہیں پڑے گا؟۔

رشید بھائی سے سلام اور مضمون واحد نئی کتابیں کون کون سی آئی ہیں۔

آپ کا

خاطر

13-4-66

رات 12 بجکر 30 منٹ

عبدالستار جوہر

پیکنگ

14 اپریل صبح 6 بجے

عزیزی جوہر آپ کا خط ملا' میرے لئے آپ حضرات کے خطوط اس شہر نا پرسان میں نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھتے ہیں یہی خطوط میری تفریح ہیں یہی ادب عالیہ ہیں یہی ریڈیو پاکستان کی خبریں ہیں اور یہی پاکستان کے اخبارات کا نعم البدل ہیں اس لئے کہ یہاں نہ ریڈیو پاکستان سنائی دیتا ہے نہ تفریحات ہیں نہ اُردو اخبار آتے ہیں نہ ہی انگریزی اخبار تو آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو خط لکھنے میں بہت زور لگانا پڑا بقول ذوق

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

لیکن آپ ذرا سا اپنے اردگرد دیکھیں اور وہ چیزیں جو آپ حقیر اور معمولی سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں ان کو بھی صفحہ قرطاس پر لے آئیں وہ بے شک آپ کے لئے بے معنی سہی میرے لئے وہ بھی بڑی اہم خبروں کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً شعبے کا حال 'طلباء کی ترقی کا حال مالی کاکا کی سرگرمیاں' پھولوں اور خوشبوؤں کی خبر (آج کل تو اسلامیہ کالج) کی سڑکیں کرنا کی خوشبو سے مہک رہی ہوں گی۔ ہائے میں تو پاکستانی پھولوں کی خوشبوؤں کے لئے ترس گیا ہوں یہاں پھول تو ہیں لیکن ان میں کرنا کی خوشبو کہاں' آج کل ہر جگہ ہر فٹ پاتھ' ہر چمن' ہر صحن اور تمام میں آڑوؤں اور آلوچوں اور خوبانیوں اور ناشپاتیوں کے پیڑوں پر رنگ رنگ کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں۔ عجیب منظر ہے ان کی اپنی خوشبو ہے لیکن پاکستان کی خوشبو کہاں' ہاں ممتاز کے حالات' امان اللہ کی ٹائپ کی غلطیاں' اعجاز الرحمان کے نئے گھر کے حالات وغیرہ وغیرہ۔ ایک لاکھ ننانوے ہزار موضوعات ہیں بھائی اگر ایک ایک پیرا روزانہ بھی لکھ لیا کرو تو مہینے میں کتاب تیار ہو جائے گی۔

سنا ہے کہ خیابان اقبال چھپ گیا ہے' وقار عظیم صاحب کو میں نے ہمیشہ یوم اقبال پر پشاور بلوایا اس سال میں پشاور میں نہیں ہوں تو انہیں پیکنگ بلوا رہا ہوں کیوں کیسی رہی؟۔

تمھارا

خاطر

مولانا فضل منان

پیکنگ

4اپریل

گرامی قدر مولانا صاحب!

ایک خط آپ کو پچھلے جمعہ کو بھجوایا' خط سفارت خانے میں دیتے ہی مجھے پیغام ملا کہ وزارت برآمدات سے میں نے آپ کے لئے جو وقت لیا تھا وہ طے ہو گیا ہے۔ آپ کا خط پوسٹ کر چکا تھا اس لئے میں حالات نہ لکھ سکا۔

وزارت برآمدات میں اس دن آپ کی کتابوں کے متعلق تفصیل سے بات ہوئی وزارت آپ کو براہ راست کتابوں کا کٹیلاگ اور تصویروں میں پوسٹ کارڈوں کے نمونے بھجوا رہی ہے ان تصویروں میں ایک خاص چیز Scroll ہوتی ہے۔ یہ سکرول دراصل سلک کے مستطیل عمودی کپڑے پر تصویریں ہوتی ہیں اور اس کے دونوں سروں پر لکڑی کے گول ڈنڈے لگے ہوتے ہیں یہ ہر سائز میں ہوتے ہیں آپ کو ایک چھوٹا نمونہ بھیجا جا رہا ہے یہ وزارت کی طرف سے دوسری چیزوں کے ساتھ آئے گا' اب آپ اپنی پسند کی کتابیں پوسٹ کارڈ سکرول' تصویروں کے البم (جو نہایت سستے ہیں) وغیرہ پسند کر کے امپورٹ لائسنس حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص

خاطر

پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پیکنگ

22اپریل 1966ء

استاد گرامی' تسلیمات!

یہاں یوم اقبال ہمارے مشرقی پاکستان کے بھائیوں کی نذر ہو کر رہ گیا ہے پچھلے دنوں جب مجھے معلوم ہوا کہ پاکستانی ادباء کا ایک وفد چین آ رہا ہے جس میں جناب سید وقار عظیم' پیر حسام الدین راشدی' ابن انشاء ڈاکٹر وحید قریشی شامل ہیں تو میں نے پاکستانی طلباء اور پاکستانی تعلیمی ماہرین سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے 21 اپریل کو علامہ اقبال کی برسی ہے ان زعماء سے اقبال کے بارے میں کچھ سنا جائے یہ تجویز سب نے پسند اور مشورہ دیا کہ سفارت پاکستان کو رجوع کیا جائے اور اسے شاندار قومی تقریب بنایا جائے لیکن ہمارے مشرقی پاکستان کے ایک صاحب کا چہرہ اتر گیا میں نے محسوس کیا کہ اس شخص کے دل کو یہ تجویز نہیں لگی بہر صورت ہم اسی شام پاکستان سفارتخانے کے فرسٹ سیکرٹری جناب محمد یونس صاحب کے ہاں گئے محمد یونس صاحب حکیم اجمل خان کے خاندان سے ہیں نہایت شائستہ رویہ شہد' گفتگو شکر' مجسم خلوص' ہر بات قرینے اور قاعدے سے سوچنے اور کرنے کے عادی ہیں ان ہی کی کوششوں سے پاکستانی طلباء کے وظیفے کی رقم میں اضافہ ہوا ہم سے بہت شفقت کی اور دوسرے دن سفیر کبیر سے بات کرنے کا وعدہ کیا انہوں نے ہمیں روک لیا اور پاکستانی کھانا کھلا کر ہماری اس تشنگی کا مداوا کیا جو مہینوں برسوں صدیوں اور قرنوں کی تشنگی بن گئی ہے' پلاؤ' چپاتیاں' چاٹ وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے دن انہوں نے بتایا کہ ہمارے مشرقی پاکستانی بھائیوں نے سفیر کبیر کو یہ دھمکی دی ہے کہ وہ یوم اقبال نہیں ہونے دیں گے انہوں نے یوم نذرالاسلام منانے کا مطالبہ کیا ہے یونس صاحب نے کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ کسی قسم کی تلخی پیدا ہو' میں نے کہا کہ مجھے اس میں عذر نہیں نذرالسلام کی برسی بھی پڑتی ہے بیشک اقبال اور نذرالسلام کی برسیاں مشترک طور پر منا لیتے ہیں یونس صاحب نے کہا کہ مناسب ہوگا اگر آپ خود اپنے طور پر اس معاملے کو طے کرلیں لیکن افسوسناک بات یہ کہ مشرقی پاکستانی طلباء نے حکومت چین کے ملازم مشرقی پاکستان کے ماہرین سے مل کر یہ طے کیا کہ وہ یوم اقبال کے ساتھ نذرالسلام کو گڈ مڈ نہیں کرنا چاہتے میں نے مغربی پاکستانی ماہرین سے مشورہ کیا ڈاکٹر عالیہ امام نے یوم اقبال کے اخراجات بھی اپنے ذمہ لینے کا وعدہ کیا اور طے ہوا کہ یہ تقریب سنکیانک میں ہو۔ تیاریاں شروع ہوگئیں کل اس تقریب کو منعقد ہونا تھا ڈاکٹر وحید قریشی اس وفد کے ساتھ آئے ہیں لیکن ان کی طبیعت ناساز رہتی ہے اور وہ اکثر کمرے میں رہتے ہیں مجھے ٹیلی فون پر دو تین مرتبہ اپنے پاس بلا چکے ہیں' چنانچہ ان ساتھیوں کی سیر کے دوران وہ مجھ سے زبانی ان مقامات کا حال معلوم کر کے لطف لیتے رہتے ہیں یوم اقبال کے سلسلے میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں انہیں آکر لے جاؤں چنانچہ جیسے ہی میں مقررہ وقت سے تھوڑی دیر پہلے ''قومیتوں کے ہوٹل پہنچا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں''۔ وہاں وہ میرے لئے یہ پیغام چھوڑ کر چلے گئے تھے، میں ان کا انتظار کروں میں ان کا انتظار کرتا رہا اور وقت گزرتا رہا میں چاہتا تھا کہ یوم اقبال میں وحید قریشی صاحب ضرور شرکت کریں لیکن اب معاملہ ایسا ہوگیا تھا کہ میری اپنی شرکت غیر یقینی ہوتی جارہی تھی میرے ساتھ میرے ساتھی ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی بھی تھے وہ بھی ان کی غیر حاضری میں اور میں بھی انتظار سے سٹپٹا رہا تھا جب ہم نے دیکھا کہ وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے تو ہم نے فیصلہ کیا کہ تقریب میں شرکت کے لئے روانہ ہونا چاہئے اتفاق دیکھئے کہ ہوٹل کے باہر ٹیکسی موجود نہ تھی اور ہم نے سامنے اس روٹ کی بس کو گزرتے دیکھا تو اور صدمہ ہوا۔ غرض دوسری بس کے انتظار میں بس سٹاپ پر کھڑے ہوگئے بس آئی اور ہم سوار ہوگئے بس سنکیانگ ہوٹل کے قریب شاہراہ پر گزر رہی تھی سٹاپ کوئی دو فرلانگ دور رہ گیا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ ایک گاڑی میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب دوسرے پاکستانی ادباء کے ساتھ کار میں سنکیانک ہوٹل سے باہر جارہے ہیں اور اقبال کی تقریب بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوچکی ہے اس تقریب کی تجویز میری تھی اور میں ہی اس میں شریک نہ ہوسکا یہ بات میرے لئے ایک سانحہ بن گئی ہے لیکن میں ڈاکٹر عالیہ امام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس تقریب کو اپنی اقبال سے محبت اور سلیقے کی بدولت ایک کامیاب تقریب بنا کر چین میں پہلے یوم اقبال منانے کا شرف حاصل کرلیا۔

باقی باتیں اگلے خط میں لکھوں گا۔ آپ کا

خاطر

اپنے بچوں کے نام

پیکنگ

25اپریل66ء

پیارے بچو! بہت دنوں سے تمہارا خط نہیں آیا کیا بات ہے اب تک تو تمہارے امتحان بھی ہوچکے ہوں گے اب تک تو تمہاری باجی بھی امتحانوں سے فارغ ہوچکی ہوں گی' دیکھو اب باجی سے خط لکھواؤ اور ہاں سنو آج تم کو ایک چینی کہانی سناتا ہوں

تم نے خرگوش تو دیکھے ہوں گے ننھے منے نرم نرم لیکن ان کے کان گدھے کی طرح بڑے بڑے ہوتے ہیں اور آنکھیں سرخ جیسے ان میں خون جم گیا ہو جانتے ہو یہ کیوں؟ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹا سا خرگوش کا بچہ پہاڑوں میں ایک غار میں اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا اس زمانے میں خرگوش کے کان چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے اس ننھے خرگوش کی ماں اس کے لئے روز رنگ رنگ کی چیزیں لاتی وہ کھاتا غار کے آس پاس اچھلتا کودتا اور پھر اپنے بل میں گھس جاتا آہستہ آہستہ خرگوش بڑا ہوتا گیا اس کا رنگ سفید اور اس کا جسم ریشم کی طرح نرم تھا اب اس کا قد اپنی ماں سے بھی بڑا ہو گیا وہ ہمیشہ ماں پر ہی حکم چلاتا اب اس کی ماں اس کے لئے جو کچھ لاتی وہ اسے پسند نہ کرتا اور ماں کو برا بھلا کہتا اب اسے اپنا گھر بھی برا لگنے لگا اور وہ اکثر ماں سے کہتا یہ گھر بڑا خراب ہے چنانچہ اس کی ماں بے چاری لاڈلے کے لئے نیا بستہ لاتی' اچھے اچھے پھل اور سبزیاں تلاش کر کے لاتی ایک دن ماں نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اب تم بڑے ہو گئے ہو تم بھی باہر نکل کر میری مدد کیا کرو۔

لیکن بیٹا تو حکم چلانا جانتا تھا اب اس کی عادتیں اتنی خراب ہو گئیں کہ ماں بھی اس سے تنگ آ گئی لیکن بے چاری اپنے بیٹے سے پیار کرتی تھی کچھ کہہ نہ سکتی تھی ایک دن سویرے ماں کھانے کی تلاش میں نکلی آندھی چلی اور بارش بھی خوب زوروں پر ہو رہی تھی بدقسمتی سے اس دن اس کی ماں کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملا اور شام کو خالی ہاتھ اُسے واپس آنا پڑا' خرگوش کا بھوک کے مارے برا حال تھا اس نے ماں کو خالی ہاتھ دیکھا تو اسے سخت غصہ آیا اور وہ ماں کو گالیاں بکنے لگا اس کی ماں نے کل کا بچا ہوا گوبھی کا پھول اسے کھانے کو دیا اس نے بھوک کی وجہ سے گوبھی تو کھالی لیکن اسے ساری رات غصے سے نیند نہیں آئی اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اب کسی پر بھروسہ نہیں کرے گا اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے گا دوسرے دن وہ ماں سے بولا بھی نہیں اور صبح صبح غصے میں بھرا ہوا گھر سے نکل گیا ماں نے اس سے کہا بیٹا اکیلے مت جاؤ میرے ساتھ چلو لیکن بیٹے نے ماں کی بات سنی ان سنی کر دی وہ دن بھر اِدھر اُدھر پھرتا رہا اس کا خیال تھا کہ وہ بہت عمدہ چیز حاصل کر لے گا لیکن اسے تو دال کا دانہ بھی نہ ملا آخر وہ تھک کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ گیا ٹھنڈی چھاؤں تھی تھکاوٹ تھی اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا اچانک غراہٹ کی آواز سن کر وہ جاگ اٹھا اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سامنے ایک بھیڑیا اس کی طرف چلا آ رہا تھا ڈر کے مارے وہ کانپنے لگا اور اٹھ کر بھاگنے لگا اب خرگوش آگے آگے اور بھیڑیا پیچھے پیچھے اب خرگوش کو معلوم ہوا کہ وہ تو بہت تیز دوڑ سکتا ہے اچانک ایک جگہ پہاڑ کے دامن میں اسے ایک بل نظر آیا اور وہ چھلانگ لگا کر بل میں گھس گیا بھیڑیا بل کے پاس پہنچا اور پنجوں اور دانتوں سے بل کی مٹی ہٹانے لگا لیکن زمین سخت تھی آخر بھیڑیا تھک کر واپس چلا گیا خرگوش بل سے نکلا وہ سخت تھک چکا تھا بھوک اور پیاس سے اس کا حال برا تھا راستے میں ایک جوہڑ آیا پیاس کے مارے اس نے جوہڑ کے گہرے پانی کا بھی خیال نہ کیا اور جلدی میں یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس جوہڑ میں جونکیں ہوں گی اچانک جونکیں اس کے منہ سے چمٹ گئیں ایک جونک اس کی ناک میں گھسنے لگی خرگوش پورے زور سے چھینکا اور پنجوں سے جونکوں کو منہ سے ہٹانے لگا لیکن جاتے جاتے جونکیں بھی اس کی ناک کو زخمی کر گئیں خون بہنے لگا چلتے چلتے وہ ایک بیری کے پیڑ کے نیچے پہنچا بیری پر موٹے موٹے سرخ سرخ بیر لگے ہوئے تھے اور اس پر چڑیاں شور مچا رہی تھیں اور اس نے چڑیوں اور گلہریوں کو بھگا دیا اور مزے لے لے کر بیر کھانے لگا وہ بھوک میں بے پروائی سے بیر توڑ توڑ کر کچھ کھاتا اور کچھ پھینکتا گیا جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے سوچا کہ یہ درخت میرے لئے بہترین جگہ ہے یہاں اکثر آیا کروں گا شام ہو گئی اور وہ گھر واپس پہنچا ماں نے دیکھا کہ وہ کیچڑ مٹی سے لت پت ہے وہ سمجھ گئی اور پوچھا ''کیا ہوا بیٹا''

خرگوش نے جھوٹ بولتے ہوئے غصے میں کہا۔

''کچھ نہیں ہوا'' اب آئندہ خود اپنی خوراک تلاش کروں گا اب کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ماں خوش ہو گئی دوسرے دن صبح صبح باہر نکلا راستے میں اسے تربوزوں کا ایک کھیت ملا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا وہاں کوئی نہ تھا اس نے پیٹ بھر کر تربوز کھائے اور کچھ گھر بھی لے گیا اور گھر میں بھی کھاتا رہا ادھر کھیت کے مالک نے کھیت میں تربوزوں کا برا حال دیکھا تو وہ دوسرے دن چھپ کر بیٹھ گیا خرگوش کھیت میں گھس کر تربوز کھانے لگا کھیت کے مالک نے تان کر اس کو پتھر مارا لیکن خوش قسمتی سے پتھر اس کے سر سے ذرا دور گرا اگر سر پر لگتا تو خرگوش اسی وقت مر جاتا خرگوش فوراً وہاں سے بھاگا کھیت کے مالک نے رات میں گھر چاول پکائے ان کو خوب اچھی طرح پکا کر لئی بنا لیا اور مٹی کا آدمی بنا کر اپنے کھیت کی منڈیر پر رکھ دیا دوسرے دن خرگوش پھر تربوزوں کی تلاش میں آیا لیکن جب آدمی کو دیکھا تو بھاگا تھوڑی دور جا کر مڑ کر دیکھا تو آدمی میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی اس نے ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اسے مارا پھر بھی آدمی نے حرکت نہ کی تو خرگوش نے کہا کہ یہ کوئی بے وقوف آدمی ہے اسے آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اس نے اسے ذرا دور کھڑے ہو کر آہستہ سے کہا ''چچا سلام'' چچا پھر بھی نہ بولا۔ اب خرگوش نے سچ مچ اسے ایک گھونسا مارا اور اس کا ہاتھ آدمی کے نرم نرم جسم میں گھس گیا خرگوش نے کہا خوب مُکا لگا ہے اور اب اس نے ہاتھ کھینچا تو اس کا ہاتھ لئی کے آدمی میں چپک گیا تھا اچھا تو تو میرا ہاتھ نہیں چھوڑے گا اس نے اس کو دوسرے ہاتھ سے مکا مارا اور وہ ہاتھ بھی پھنس گیا اب اس نے زور لگایا لیکن بات نہ بن سکی اس نے سوچا ایک دولتی مارنی چاہئے اس کو اور چنانچہ اس نے دونوں پاؤں پورے زور سے اسے مارے لیکن اب تو بالکل پھنس کر رہ گیا اتنے میں کھیت کا مالک آیا اس نے خرگوش کو دیکھا اور کہا ''اچھا تو آخر تو میرے ہاتھ آ ہی گیا بولو شریر خرگوش! پھر میرے تربوز کھائے گا؟ خرگوش نے رو رو کر معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ پھر اس کے تربوز نہیں کھائے گا اب جو کھیت کے مالک نے خرگوش کو نکالنے کی کوشش کی تو اس کا نکلنا مشکل ہو گیا خرگوش نے بھی اتنا زور لگایا کہ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اب کھیت کے مالک کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ خرگوش کے چھوٹے چھوٹے کان پکڑ کر اسے لئی سے باہر کھینچتا جوں جوں وہ زور لگاتا گیا خرگوش کے کان لمبے ہوتے گئے آخر کار وہ گدھے کی طرح لمبے ہو گئے اور خرگوش کی جان بچ گئی لیکن اس دن کے بعد خرگوش کے کان لمبے ہو گئے اور جانتے ہو کہ آنکھیں کیوں سرخ ہو گئی کھیت کے مالک نے خرگوش کے جسم سے لئی تو صاف کر دی لیکن آنکھوں سے خون صاف نہ کیا چنانچہ وہ سرخ رہ گئیں۔

تو بچو یاد رکھو! تم خرگوش کی طرح ہٹ دھرمی سے کام نہ لینا اور غلط کام بھی نہ کرنا ماں کا کہنا ماننا گھر سے باہر بغیر ماں کی اجازت کے نہ نکلا کرنا ورنہ تمہارے کان بھی لمبے ہو جائیں گے اور آنکھیں سرخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا بچوں۔۔۔۔۔۔تمہارا خط آنے پر پھر جو خط تمہیں لکھوں گا اس میں نئی کہانی سناؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہارا بہت دور رہنے والا اکیلا ابا

پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پیکنگ

3 مئی 66ء

قبلہ محترم فاروقی صاحب' السلام علیکم' آپ کا 27 اپریل کا خط کل شام ساڑھے چار بجے ملا' کل ہم دیوار چین اور

منگ بادشاہوں کا مقبرہ دیکھنے گئے تھے آج کل چھٹیاں ہیں یعنی یکم مئی سے پانچ مئی تک یہ چھٹیاں گویا موسم بہار کی تعطیلات سمجھ لیجئے ان کی ابتداء یوم مئی سے ہوتی ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ''یوم مئی'' دنیا بھر کے محنت کشوں کا دن ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں منایا جاتا ہے چین سوشلسٹ ملک ہے یعنی خود مزدور اور محنت کش اس ملک کے حکمران ہیں اس لئے یہاں اس دن کو منانے کا ڈھب اور ہے بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس ملک میں اب قوت بازو کو خدا اور محنت کو مذہب سمجھا جاتا ہے اس لئے ایسی تقریبات نے سبھی مذہبی تقریبات کی جگہ لے لی ہے اور ایسے موقعوں پر چین کے لوگ دن بھر اور رات بھر تفریح کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کروڑوں انسانوں کے اس جنگل میں نظم اور ضبط دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اس قسم کی بھیڑ میں یورپ میں ہر سال سینکڑوں حادثوں کی خبریں سننے میں آتی ہیں لیکن یہاں چیونٹی کی موت بھی ایک غیر معمولی بات سمجھی جاتی ہے پیکنگ کو ایسے موقعوں پر دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے یہاں ایک مرکزی اور اہم ترین شاہراہ ہے جس کو ''چھانگ ان'' یعنی ''دائمی امن'' کی شاہراہ کا نام دیا گیا ہے شاہراہ کے عین مرکز میں دنیا کا سب سے بڑا چوک ہے جسے ''تھی ان من'' یعنی ''آسمانی امن کا دروازہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام دراصل اس چوک کے شمال میں واقع سرخ رنگ کی اس عمارت کا ہے جو قدیم بادشاہوں کا شاہی محل تھا جسے شہر ممنوعہ کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے اس چوک کے مشرقی جانب چین کا قدیم اور جدید تاریخ کا عجائب گھر اور مغربی جانب عظیم Great Hall یعنی عظیم ہال ہے چوک کے وسط میں انقلاب کے بہادروں کی یادگار ہے چھانگ ان شاہراہ پیکنگ کی بے شمار اہم ترین عمارات کے درمیان واقع ہے یعنی پیکنگ ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن، چین کی مختلف اقوام کا تہذیبی محل، ہوٹل، بڑا تار گھر، پیکنگ ہوٹل وغیرہ شاہراہ کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بجلی کے خوبصورت کھمبے ایستادہ ہیں جن پر نونو گلوب اور چاروں طرف خوبصورت شیشے کے فریموں میں سیلابی روشنیاں (Flood Light) لگی ہوئی ہیں ہر کھمبے پر خوشنما لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے گویا اس شاہراہ پر ہزاروں روشنی کے فانوس اور سینکڑوں لاؤڈ سپیکر ہیں راتوں کو جب یہ روشن ہوتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں سے قومی گیت فضاؤں پر راج کرنے لگتے ہیں تو نور و نغمہ سے فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ چیونٹیوں کی طرح چوک اور شاہراہوں میں پھیل جاتے ہیں دراصل اس چوک میں پیکنگ کے مختلف اداروں کے کارکن، طلباء اور طالبات اپنی اپنی خصوصی جگہوں پر دائرے بنا برا جمان ہو جاتے ہیں اور رقص اور موسیقی کی لہروں میں کھو جاتے ہیں یہ نقشہ یکم مئی کی رات کا ہے جس میں شرکت کے لئے ہمارے ادارے کے سبھی طلباء اور طالبات نے حصہ لیا۔ ہمارے ادارے کی تمام بسیں طلباء سے کھچا کھچ بھری ہوئی قومیتوں کے محل کے پاس رک گئیں اور ہم سب طلباء اور طالبات نے اپنے ادارے کے سربراہ کے پیچھے پیچھے کوئی ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ مارچ کرتے ہوئے طے کیا۔ بڑے چوک پہنچے تو کئی اداروں کے کارکن اور طلباء پہلے ہی موجود تھے، یہاں منتظمین نے لوگوں کو قطاروں میں کھڑا کر کے گلیاں بنا دی تھیں ہم گلیوں میں سے چکر کاٹتے ہوئے ''تھی امن'' کے مشرقی جانب پہنچے یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ''تھی ان من'' کی سرخ عمارت کے نیچے دائیں اور بائیں جانب سیڑھی نما پلیٹ فارم تعمیر کئے گئے ہیں جہاں ایسی تقریبات کے موقع پر غیر ملکی مہمان اور مختلف اداروں کے نمائندوں کو کھڑا ہونے کی اجازت ہوتی ہے ہم مشرقی پلیٹ فارم کے سامنے تھے لاؤڈ سپیکروں پر ریکارڈ بج رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن اس ہنگامے اور شور میں ہر ادارے کے رکن اپنے اپنے ادارے کے آرکسٹرا کی دھنوں پر ناچ اور گا رہے تھے اوپیرا کھیلے جا رہے تھے اور لوگ خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔

آٹھ بجے آتش بازیاں چھوٹنے لگیں، نصف گھنٹہ لوگ فضاؤں میں آگ کے کھلائے ہوئے رنگ رنگ اور طرح

طرح کے پھول دیکھتے رہے، بچے تالیاں بجاتے رہے بوڑھے حیرت سے منہ کھولے آنکھوں میں چمک کی لہریں بھرتے رہے لڑکیاں مست ہوکر ناچنے لگیں لڑکے بالے گانے لگے، پھر کوئی پون گھنٹے کے لئے آتش بازی رک گئی اور چوک میں دوبارہ نغموں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں لہرانے لگیں پون گھنٹے بعد پھر آتش بازی نے سماں باندھا اور اس چوک میں یوم مئی میں حصہ لینے والے تیس لاکھ آدمیوں نے پھر آسمان میں رنگ ونور کے فرشتوں کی پروازوں پر نظریں مرکوز کردیں۔

پیکنگ کا موسم نہایت غیر معتدل ہے ابھی گرمی ابھی سردی، ابھی مطلع صاف ابھی بارش ابھی خاموشی اور ابھی آندھی یہاں کی آندھی بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیتی ہے کوئی نو بجے آندھی چلنے لگی اور تیس لاکھ آدمیوں نے اپنی گردنیں منقار زیر پر پرندوں کی طرح بغلوں میں چھپالیں پھر آندھی اور سردی شدت اختیار کرنے لگی اور کمزور لوگوں کو گرم گرم لحاف کی لذت گھروں کی طرف کھینچنے لگی یہ موسم شام کو ایسا نہ تھا یکم مئی کو صبح صبح بارش شروع ہوئی۔ یہاں یکم مئی کی صبح نو بجے سے بارہ تک پیکنگ کے مختلف تفریحی مقامات پر لوگ اکٹھے ہوکر رقص وسرود کی محفلیں جماتے ہیں ملک کے لیڈران پارکوں اور تفریح گاہوں میں جاکر عوام سے ملتے ہیں اور ان کے ساتھ گاتے اور ناچتے ہیں ''پے ہائی پارک'' ایک جھیل ہے اور اس کے کنارے پارک ہے جہاں لوگ کشتیاں چلاتے ہیں اور پارک میں تفریح کرتے ہیں پے ہائی جھیل میں بے شمار رنگا رنگ کشتیاں رنگ رنگ کی جھنڈیوں اور غباروں سے آراستہ دلہنوں کی طرح سطح پر تیر رہی ہیں ہم شاہی محل کی جنوبی جانب اس پارک میں گئے جسے چھنگ شان کہتے ہیں لیکن یہ ''مے شان'' یعنی کوئلے کی پہاڑی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اس نام کی وجہ عام طور پر یہی بتائی جاتی ہے کہ یہاں بادشاہ محاصرے کے وقت کی ضروریات کے لئے کوئلے کا ذخیرہ رکھا کرتا تھا اس پارک کا قطر کوئی ایک میل ہے اور یہاں وہ پارک ہے کہ جہاں 1644ء میں منگ خاندان کے خاتمے کے وقت جب کسانوں کے رہنما ''لی زے چھنگ'' نے پیکنگ پر حملہ کیا تو شکست خوردہ بادشاہ نے پہاڑی کی مغربی ڈھلان پر ایک درخت سے لٹک کر خودکشی کرلی تھی اس پارک کا بڑا دروازہ شاہی محل کے شمالی دروازے کے بالکل سامنے ہے جب ہم اس دروازے میں داخل ہوئے تو سامنے ہی پہاڑی کے دامن میں تعمیر کی ہوئی ایک عمارت کی بالائی منزل کے برآمدے اور نیچے سیڑھیوں پر کوئی تین سے زیادہ لڑکیاں سفید لباس میں ملبوس کاغذی پھولوں کی مالائیں لئے گا رہی تھیں ان کے قدموں میں آرکسٹرا تھا اور ان کے سامنے میدان میں لوگ بیٹھے تھے جن میں اکثریت غیر ملکیوں کی تھی ہر گانا ختم ہونے پر سب لوگ تالیاں بجاتے سب غیر ملکیوں کی ٹولیاں پارک میں داخل ہوتیں تو بچوں کی ٹولیاں ان کو دیکھ کر تالیاں بجاتیں یہ رنگ دیکھنے کے بعد ہمارے ترجمان ہمیں پارک کی سیر کے لئے لے چلے اس پارک میں سارے پیکنگ کے لاکھوں بچے اپنے اپنے اداروں کے تحت رنگ برنگ لباس پہنے مسلسل اور بے تکان ناچ رہے تھے کہیں کھیل ہو رہے تھے کہیں ناٹک دکھائے جارہے تھے، کہیں پتلیوں کا تماشہ ہو رہا تھا، دکانیں سجی ہوئی تھیں، شوخ رنگ چیخ رہے تھے نغمے برس رہے تھے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور کبھی کبھی نغموں کی بارش کے ساتھ ساتھ بارش کا ایک آدھ چھینٹا بھی پڑ جاتا، بچوں کے ہاتھوں سے کاغذی پھولوں کا رنگ بہتوں کے کپڑوں پر پھیل جاتا اور وہ خوش ہو ہو کر اچھلنے لگتے ہیں۔ ہر موڑ پر، ہر میدان، ہر باغیچے میں ہر صحن میں ہر گلی میں، پگڈنڈی، پہاڑی کی ہر ڈھلان پر بچے ناچ رہے تھے اور گا رہے تھے اور کھیل رہے تھے تماشہ دیکھ رہے تھے اور تماشہ دکھا رہے تھے کوئی ساڑھے گیارہ بجے بادلوں کے جھروکوں سے سورج نے بھی ان بچوں کا تماشہ دیکھنا شروع کیا یہ خوشیاں یہ رنگ اور یہ بہار اگر وہ نہ دیکھتا اس سے زیادہ بدقسمت دنیا میں اور کوئی نہ ہوتا گویا یوم مئی کی تقریبات

میں سورج، بادل، بارش اور یوں، سمندر، ہوا، آندھی، آسمان اور چاند بھی شریک ہوئے۔

باقی آئندہ

خاطر

سلیم گیلانی

پیکنگ

گیلانی جی! محبتیں

آپ نے بھلا ہی دیا شاید مصروفیت زیادہ ہے اس لئے خط لکھنے کا موقع نہیں ملتا البتہ آپ کے پیغامات پاکستان کے ثقافتی وفد کے بعض اراکین کی وساطت سے ملے۔ آپ نے ٹرانسپریشن ہاؤس میں بڑی اہم آوازیں محفوظ کر کے کارنامہ سرانجام دیا ہے اور جس طرح ریڈیو کو شخصیات، تھیٹر اور تاریخی مواقع محفوظ کرنے کے قابل بنایا اس کی اہمیت کا اندازہ یہاں آ کر ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں پیکنگ کے انقلاب کے عجائب گھر کی سیر کر ہوئے وہ چیزیں بھی دیکھیں جن کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں اور ایسا کام کرنے والے کو شاید گھسیارے کا خطاب عطا کیا جائے یعنی انہوں نے اس مختلف قسم کی گھاس کی نمائش بھی کی ہے جسے لانگ مارچ کے دوران چین کے عظیم عوامی سپاہیوں نے کھا کھا کر زندگی کے تلخ ترین دن کاٹے آپ کی محنت آج نہیں لیکن فتح کی جانب پیش قدمی مستقبل میں یقیناً قدر کی نظر سے دیکھی جائے گی یہاں کے ڈرامے دیکھ دیکھ کر زندگی کے شیریں ترین تجربوں سے گزر رہا ہوں پیکنگ اوپیرا، آج ہی نہیں ماضی کی بھی پسندیدہ ترین صنف رہی ہے آپ کو اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یقیناً لطف آئے گا۔

چین میں اوپیرا کی صنف کی کوئی دو اقسام ہیں جو ملک کے مختلف حصوں میں رائج ہیں ان میں ایک قسم کا نام پیکنگ اوپیرا ہے اس نے رائج صورت انیسویں صدی کے آغاز میں اختیار کی اور اس کی کارگزاریوں کا مرکز پیکنگ رہا جو چھنگ دور حکومت میں دارالحکومت تھا اسی وقت سے اس کا نام پیکنگ اوپیرا پڑ گیا اس طرح اس کی ایک سو تیس سال سے زیادہ تاریخ مرتب ہوتی ہے۔

چین کے سارے مقامی اوپیرا دیہاتی علاقوں کی پیداوار ہیں چنانچہ اسی وجہ سے قدیم اوپیرا کئی طرح کی قدامت لئے ہوئے ہے ان اوپیرا کی کہانیوں کے پلاٹ نہایت سادہ اور کردار کم تھے مکالماموں سے زیادہ ان میں گانا ہوتا تھا گانوں میں یکسانیت کا عنصر بہت ہوتا تھا کہانیوں کے پلاٹ سے نہایت آسانی سے پتہ چل سکتا ہے کہ ان کی تعمیر لوک کہانیوں اور لوک نظموں پر کی گئی ہے پرانی اوپیرا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حقیقی زندگی سے بہت قریب تھے یہ اوپرا موضوعات کے لحاظ سے عام طور پر خاندانی رشتوں اور عشق و محبت کی کہانیوں کا احاطہ کرتے تھے اور ان میں جو کردار پیش کئے جاتے تھے وہ کسانوں اور دہقانوں کی روزمرہ زندگی کے جانے پہچانے کردار ہوتے تھے لیکن جب یہ سادہ اوپیرا دیہات سے چل کر شہروں کی طرف آیا تو اس میں کچھ تبدیلیاں جگہ پا گئیں اس میں موضوعات کی رنگا رنگی آ گئی اب دیہات کی زندگی پیش کرنے والی سادہ زندگی کے چھوٹے ڈرامے شہر میں تاریخی عناصر کے شامل ہو جانے سے عظیم ڈرامے ہو گئے اور جوں جوں موضوعات نشوونما پاتے گئے ڈرامے کی ہیئت میں بھی ترقی ہوتی گئی پلاٹ بھی زیادہ گنجلک ہوتے گئے کرداروں کی تعداد بڑھتی گئی اس طرح ان کو مختلف اصناف میں تقسیم کر دیا گیا دھنوں میں تبدیلیاں ہوئیں تو تماشائیوں کو نغمات کا پس منظر اور مطلب سمجھانے کی غرض سے مکالمات میں اضافہ

کر دیا گیا مقامی یا علاقائی اوپیرا خصوصی طور پر اپنے علاقوں کی زبان کے خصوصی لہجوں کی بناء پر دوسرے علاقوں سے مختلف ہوتے ہیں اور زیادہ اوپیراؤں کے جنم لینے کا ایک یہ سبب بھی ہے کہ چین کے مختلف علاقوں میں زبان کا لہجہ مختلف ہے۔بس پیکنگ اوپیراؤں کو دوسرے اوپیراؤں پر فوقیت حاصل ہوگئی ہے اور اسکی حدود وسیع ہوگئی ہیں جبکہ دوسرے اوپرا محدود علاقوں میں سمجھے جاتے ہیں۔

پیکنگ اوپیرا ان خوئے صوبے کے اژخوانگ اوپیرا کی ترقی یافتہ صورت ہے انھاریویں صدی کے آخر میں جب کہ اژخوانگ اوپیرا دارالحکومت میں متعارف ہوا اس وقت پیکنگ میں کئی علاقائی اوپیرا ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے پیکنگ اوپرا پر دوسری ڈرامائی اصناف کا اثر بھی پڑا پھر یہاں کے رؤسا اور شاہی سرپرستی نے اسے سہارا دیا اور رفتہ رفتہ اس نے پیکنگ اوپیرا کی صورت اختیار کر لی پیکنگ اوپیرا کی بالادستی کا حقیقی سبب یہ بھی ہے کہ اس نے مختلف اوپیراؤں سے اچھی خصوصیات اپنالی ہیں اسی لئے موسیقی کے لحاظ سے یہ اوپیرا سب سے زیادہ مالا مال ہے۔

دُھنوں کی یہ رنگارنگی کے علاوہ پیکنگ اوپیرا لے اور تال کے لحاظ سے خصوصیت لئے ہوئے ہے۔دوسرے اوپیرا اسی کی دُھنوں کی کوئی نہ کوئی صورت لئے ہوتے ہیں۔ذہین ایکٹران بنیادی دُھنوں کے سراسر پابند نہیں رہتے بلکہ کہانی کے مختلف مقامات اور کرداروں کے مزاج کے موافق ان میں ردوبدل اور ابھار پیدا کرتے رہتے ہیں وہ اکثر خاص قسم کے جذبات کی صحیح اور مناسب عکاسی کرنے کے لئے نغموں میں اصل سے ذرا ہٹ کر کبھی بلند آہنگی یا کم آواز تیز روی یا آہستہ رو آواز بلندی یا نہایت دھیمہ پن میں نرمی اور شرینی بھر دیتے ہیں۔

پیکنگ کے اوپیرا میں دو اہم قسم کے ساز استعمال کئے جاتے ہیں ساز اور سانس کے ساز پہلی قسم کے آٹھ ساز ہیں جن میں خوچھن اور اژخو ساز بھی شامل ہیں سانس کے سازوں میں سُرنا، بانسری اور دوسرے ایسے ہی ساز شامل ہیں تال کے سازوں میں دس ساز استعمال کئے جاتے ہیں جن میں ڈھول، تاشے، کھڑتالیں، گھنٹیاں جھانجھ وغیرہ شامل ہیں تار اور سانس کے سازوں کا مقصد گانے کا ساتھ دینا ہے جبکہ تال کے ساز اداکاروں کی حرکات وسکنات کے ساتھ رقص میں ساتھ دینے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اور اداکاروں کے ساتھ دینے کے لئے تال کا ساتھ دینے کی پابندی اشد ضروری ہے اور اس طرح ان کی ہر حرکت پر اٹھتے ہوئے قدم اور ہر جنبش کے لئے ہم آہنگی اور صفائی لازمی ہے۔

پیکنگ اوپیرا کی یہ خصوصیت نہایت اہم ہے کہ اس کی کہانی کا پلاٹ سٹیج پر وقت اور مقام کا پابند نہیں اس لئے ڈراما نگار کہانی کو بلا کسی پابندی اور قید کے جس طرح چاہے ڈھال سکتا ہے نیز اس اوپیرا کے مناظر کو سٹیج کے سامنے اور سٹیج کے الجھے ہوئے تاثرات کی بھی ضرورت نہیں بلکہ پلاٹ اور کرداروں کی حرکت ہی تماشائیوں کے لئے وضاحت پیش کرتی ہے یہی وہ خصوصیت ہے جس کے سبب چینی اوپیرا یورپی اوپیرا سے یکسر مختلف ہوتا ہے سٹیج پر اداکاروں کی ہر جنبش وحرکت میں اشاریت ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ اشاریت نہایت واضح بھی ہوتی ہے جب اوپیرا میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ڈراما زندگی کا ترجمان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ سٹیج پر سب کی سب چیزیں حقیقی ہوں، دراصل اداکاروں کا کام ان کو زندگی کا ترجمان بنانا ہوتا ہے اس ضمن میں پیکنگ اوپیرا بہت اونچے معیار پر پہنچ گیا ہے اس لئے کہ اداکار اپنے کردار کو اس خوبی سے پیش کرتے ہیں کہ تماشائی نہ صرف سٹیج کی فرضی چیزوں کو اصل تصور کر لیتے ہیں بلکہ اکثر اس ماحول کے جادو میں کھو جاتے ہیں۔مثلاً جب اوپیرا میں یہ بتایا جاتا ہے کہ دو آدمی تاریکی میں لڑ رہے ہیں تو تماشائی یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ دونوں اندھیرے میں لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو نہیں

دیکھ سکتے اسی طرح جب کسی کردار کو کشتی چلاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور اس کے باوجود کہ اس کے ہاتھ صرف ایک چپو ہے وہ اپنی حرکات اور فنکارانہ دروغ سے ثابت کر دیتا ہے کہ کشتی چلاتے ہوئے اسے کس قسم کے پانیوں سے گزرنا پڑ رہا ہے اور دریا کی روانی کا انداز کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پیکنگ اوپیرا میں ہر حرکت اور ہر جنبش کا خاص مقصد اور معانی ہوتے ہیں کہ کوئی جنبش بلاسبب سرزد نہیں ہوتی۔

پیکنگ اوپیرا میں دوسری اقسام کے علاقائی ڈراموں کی نسبت جسمانی کرتبوں کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے اور اس لئے اسے ترقی دی گئی ہے۔ سولہویں صدی کے بعد جسمانی کرتبوں کو چین میں لڑائی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے پیکنگ اوپیرا نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور جسمانی کرتبوں کو رقص سے ہم آہنگ کر دیا رقص اور جسمانی کرتب کے امتزاج سے جنگ وجدل کی مختلف اقسام کو پیش کیا جانے لگا۔

پیکنگ اوپیرا کی ایک اور خصوصیت جو خاص طور پر قابل توجہ ہے وہ اداکاروں کے چہروں پر رنگوں کا استعمال ہے یہ بات سارے چینی اوپیرا کی خصوصیت بن گئی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ قدیم اوپیرا میں گانا اور رقص مختلف لوگ پیش کرتے تھے جب کورس گایا جاتا تو اداکار، اداکاری کرتے رہتے ہیں اکثر یہ اداکار چہروں پر نقلی چہرے لگا لیتے ہیں تیرھویں صدی میں رقص و نغمہ کو یکجا کر دیا گیا اور اداکار، اداکاری کرتے، بولتے بھی اور گاتے بھی اس طرح وہ چہروں پر نقلی چہرے نہ لگا سکتے، بلکہ ان کے چہروں پر رنگوں سے مختلف نقوش بنا دئے جاتے۔

یہ منقش چہرے بعض خصوصیات کی ترجمانی کرتے، مثلاً سرخ رنگ کا چہرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص وفادار اور بہادر ہے سفید چہرہ عیاری کا پتہ دیتا، سیاہ چہرہ مستقل مزاجی اور ہار ماننے کا نشان تھا، سبز یا نیلا چہرہ گرم مزاجی اور بے قابو ہونے کی اشاریت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

منقش چہرے لوگوں کے اچھے کرداروں کو تحسین، بے وقوف اور ظالم بادشاہوں، بدکردار افسروں، زمینداروں، مقامی رؤسا اور خوشامدیوں سے نفرت کا اظہار بھی پیش کرتے ہیں۔

منقش چہروں کے ذریعے مختلف جانوروں، پریوں اور بھوتوں کا کام بھی لیا جاتا ہے مثلاً سن دوکھنگ کے لئے ایک بندر کا چہرہ اور ایک بھوت (جس کا نام داغدار چہرے والا چیتا ہے) کے لئے شیر کے نقوش کے چہرے مستعمل ہیں۔

ان رنگین چہروں سے عوام کے مختلف تاریخی اور کاہنوں کے کرداروں سے محبت اور نفرت کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

اگرچہ ایک زمانے میں پیکنگ اوپیرا شاہی سرپرستی میں رہا لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے عوام سے یکسر منہ موڑ لیا اب تک پیکنگ اوپیرا میں جن اداکاروں نے ناموری حاصل کی ان میں تھان شین، وانگ یاؤ چھنگ، یانگ شیاؤلو اور مے لان فنگ نے اوپیرا میں اداکاری کے فن کو ایسی بلندیوں پر پہنچا دیا جس کے سبب آج بھی پیکنگ اوپیرا چین کے عوام میں بے حد مقبول ہے۔ مے لان فنگ نے ہمیشہ عورت کا کردار ادا کیا۔

جدید دور میں پیکنگ اوپیرا نے ان حالات سے ہم آہنگ ہو کر نیا رخ اختیار کیا ہے جس طرح خود چین بہت کم عرصے میں بدل گیا ہے اسی طرح اب پیکنگ اوپیرا بھی نئے حالات میں ڈھل کر ایک نئی صورت اختیار کر گیا ہے۔

باقی آئندہ

آپ کا خاطر

مختار صدیقی

پیکنگ

14 مئی 1966ء

مختار جی! محبتیں

آپ نے چین میں مسلمانوں کے فنون لطیفہ کے بارے میں دریافت کیا ہے مسلمانوں کے فنون لطیفہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے ذہن میں سنکیانگ کا علاقہ گھوم جاتا ہے وہی ہمارا روایتی خطہ وختن کا علاقہ۔ یہ علاقہ آج بھی چین میں مسلمانوں کی اکثریت کا خطہ ہے یہ وہی علاقہ ہے جس کی سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں صرف سرحدیں ہی نہیں اور بھی کئی باتوں میں یہ سرحد کے علاقے سے ملتا جلتا ہے یہاں کے تکے جنہیں یہاں ''شاش لِک'' کہتے ہیں پشاور کے صابری ہوٹل کے بکرے کے تکوں کی یاد تازہ کردیتے ہیں یہ شاش لک اسی علاقے کے نام کے ہوٹل یعنی سنکیانگ ہوٹل میں ملتے ہیں اور ان کی کشش ہمیں ہفتے میں ایک دو مرتبہ اس ہوٹل کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے پشاور کے تکوں اور یہاں کے تکوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں تکے سیخ سے اتار کر پلیٹوں میں ڈال کر پیش کئے جاتے ہیں جبکہ یہاں صاف ستھری چمکتی ہوئی سیخوں میں لگے ہوئے گرم گرم تکے کھا کر ہمیں عید قربان کی ضیافتیں یاد آجاتی ہیں۔

سنکیانگ کی اہمیت کا ایک بڑا سبب اس کے نغمے اور رقص ہیں کیونکہ اس علاقے میں رہنے والی اوئی غر، قزاق اور دوسری دس کے لگ بھگ قومیں رقص ونغمہ کے فن میں لاثانی ہیں چین کے 1949ء میں آزاد ہونے کے بعد چین کے اس حصے نے بھی دوسرے میدانوں میں جو ترقی کی ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے ادب، آرٹ اور موسیقی نے بھی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

سنکیانگ کی اوئی غر کلاسیکی موسیقی کی روح ''مقام'' ہے یہ لفظ یقیناً عربی زبان سے مستعار لیا گیا ہے اور یہاں اس لفظ سے مراد اعلیٰ ترتیب ہے مقام کو اوئی غر موسیقی کی ماں کہا جاتا ہے اس کی تاریخ کوئی چار سو سال پرانی ہے اور اسے لوک موسیقاروں نے لوک گیتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے موسیقی کے بارہ حصے ہیں ہر حصے کے تین جزو ہیں پہلا جزو سازوں کی موسیقی، تنہا گائے جانے والے نغمے یعنی سولو، کورس گانے اور رقص سب ملا کر ایک سو ستر طرزیں اور ستر نغمے بنتے ہیں اور اسے اوئی غر کی موسیقی کا ''انسائیکلوپیڈیا'' کہا گیا ہے اور اس میں عوام کی زندگی اور ان کی اُمنگوں کی واضح جھلک ملتی ہے اس میں ان خوشیوں اور روشنی کی تلاش اور تاریکیوں اور برائیوں کے خلاف جدوجہد بھی آشکارا ہوتی ہے صدیوں سے لوک فنکاروں نے موسیقی کو اپنا کر اس میں اپنا قومی رنگ اور انداز بھر دیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چین کی آزادی سے پہلے یہاں کے موسیقاروں کی زندگی اس قدر تلخ ہوگئی تھی کہ انہوں نے مجبور ہو کر اپنے سازوں کو توڑ دیا اور قسم کھائی تھی کہ پھر ان کو ہاتھ بھی نہ لگائیں گے۔ 1949ء میں جب چین آزاد ہوا تو مکمل مقام پیش کرنے والے فن کار بہت کم رہ گئے تھے۔

1952ء میں تہذیبی شعبے نے موسیقاروں کی ایک جماعت ترتیب دی تاکہ ''مقام'' کو دوبارہ زندہ کیا جائے اس نے چند بہترین لوک فنکار بھی جمع کئے تاکہ ''مقام'' مرتب کیا جائے اور پیش کیا جاسکے کئی سال کی منظم جدوجہد اور محنت کے بعد ''مقام'' کے پانچ مختلف روپ مرتب کئے گئے جنوبی سنکیانگ کا ''مقام''، مشرقی سنکیانگ ''شمالی سنکیانگ کا مقام'' ''دولان مقام'' اور ''طرفان مقام'' ان پانچوں مقاموں کی موسیقی نے ایک دوسرے کو متاثر کیا بعض اصل اور بنیادی مقام سے تعلق رکھتے ہیں

لیکن اب ایک دوسرے سے ترتیب لے سر اور گانے کے لحاظ سے مختلف ہیں عام طور پر مشرقی مقام تاثر اور شان وشوکت کے لحاظ سے منفرد ہے جنوبی مقام نزاکت اور غم انگیزی کے نقطہ نظر سے نمایاں ہے شمالی مقام شوخ ہے اور زندگی سے بھرپور ہے۔ دولان مقام قدیم طرز کا حامل ہے اور سادہ ہے اور طرفان مقام قوت اور جذبے کا مظہر ہے چین نے زندگی کے ہر شعبے میں جو انقلاب پیدا کیا اسی کے تحت نئی سوچ سنکیانگ کے موسیقاروں کو بھی اپنی موسیقی کے روایتی انداز میں وقت کی ضرورت کے مطابق ترمیم و ترقی کی طرف راغب کر رہی ہے چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں خاصی ترقی کی ہے۔ 1965ء میں موسیقاروں نے اجتماعی طور پر کام کر کے رقص و نغمے پر مشتمل ایک کہانی ''عوامی کمیون زندہ باد'' کے عنوان سے پیش کی جس میں زرعی اصلاحات، زراعت میں اور امداد باہمی کی تحریک، کمیونوں کا قیام، سرحدی علاقوں کا قیام، نئے شہروں اور دیہات کی تعمیر، مختلف قومیتوں کا بڑھتا ہوا استحکام اور سرحدوں کی حفاظت جیسے موضوعات شامل ہیں اس کہانی میں بڑے مؤثر انداز میں ''مقام'' کے آٹھویں حصے ''عشاق مقام'' سے کام لیا گیا ہے، جس کے سبب ''زندہ باد عوامی کمیون'' ایک جوش اور جذبہ پیدا کر دینے والی چیز بن گئی ہے۔

سنکیانگ کی موسیقی میں دوسری اہم چیزیں کلاسیکی موسیقی، صنم، رقص ونغمہ اور سونا نغیرہ کی موسیقی شامل ہے سونا اور نغیرہ دراصل سرنا اور نقارہ کی موسیقی ہے سنکیانگ کے علاقے پر جیسا کہ کہا جا چکا ہے مجازاً ایران کا بڑا اثر ہے جس طرح سنکیانگ کے شہر ''ختن'' مشک ختن کے سبب اردو اور فارسی شاعری میں جانا پہچانا جاتا ہے اسی طرح اسلامی اثر کے سبب اس علاقے کی زبان پر عربی اور فارسی کا بڑا اثر ہے۔

قزاق موسیقی میں لوک داستانوی نغمے اور دومبرا ساز خصوصی طور پر اہم ہیں اسی طرح اوئی غُر تاجک اور ازبک اقوام کے بے شمار لوک گیت بھی قابل ذکر ہیں۔ نئے موسیقار روایتی موسیقی کی بنیاد پر نئے تقاضوں کی روشنی میں موسیقی اور نئے نغمے مرتب کر رہے ہیں جو نہایت مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔

الطائی کی چراگاہوں کے علاقے میں اسماگل نامی قازق گلوکار خاصی شہرت کی مالک ہے اس کی عمر ساٹھ برس ہونے کو آئی ہے وہ صرف گلوکار ہے۔ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بھی اس نے موسیقی کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے اس کے نغموں میں چیئرمین ماؤزے تنگ اوئی غر چین کی کمیونسٹ پارٹی کی توصیف ہے بعض نظموں میں علاقے کے مناظر کی تعریف کی گئی ہے اور بعض میں چین کی نامور شخصیتوں کے کارناموں کا تذکرہ ہے اسماگل کی سب نظمیں روایتی بیانیہ انداز میں ہے لیکن ان میں تازگی اور نئی زندگی سے محبت کی اُمنگ ملتی ہیں۔ مثلاً اس کی ایک نظم مادر وطن کا ایک بند یوں ہے۔

اے میری لامحدود، مال مال مادر وطن
تو مجھے اپنے دل کی طرح پیارا ہے!
میں تیرے لامتناہی آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوں
میں تیری حفاظت کروں گا آنکھ کی پتلی کی طرح

''مبرا'' قازق قوم کا خاص ساز ہے یہ گٹار کی طرح کا ساز ہے اور تقریباً ہر قازق گڈریئے کے خیمے کی زینت ہوتا ہے قزاق قوم کی موسیقی میں دُھنوں کی رنگارنگی ہوتی ہے ان کے نغمے عام طور پر مختصر اور مکمل ہوتے ہیں ان میں کہانیاں یا ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں واضح مقصدیت کے ساتھ اپنی اپنی انفرادیت بھی ہوتی ہے اور موسیقار اپنی فنی دسترس کے باعث سماں باندھ دیتے ہیں۔

1963ء میں الی قزاق علاقے میں دومبرا ساز آرکسٹر میں شامل ہوا سنکیانگ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آرکسٹرا مرتب کیا گیا پہلے بھی دومبرا صرف سولو یا اکیلے ساز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ قازق گڈریئے پرانے معاشرے میں الگ تھلگ اور بکھرے ہوئے رہتے ہیں نیز یہ ساز بھی کچھ اس طرح کا ہے کہ اسے ہنگاموں میں استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے اس کی آواز میں بلند آہنگی اور گونج نہیں اس لئے ساز زندہ اسے اپنے ڈھب پر بجاتا ہے آج کی انقلابی زندگی میں سازوں میں قوت، زور، پھیلاؤ اور بلند آہنگی وقت کی ضرورت کو پورا کرنے کی اہل ثابت ہوئی اس کے ساتھ ساتھ اس قوم کے ماہر سازندوں نے اس ساز میں بھی وقت کی ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کیں، پہلے دومبرا میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی یہ لکڑی کے ایک ٹکڑے سے بنایا جاتا ہے اور اس میں رودے یا آنت کے تار استعمال کئے جاتے تھے لیکن اب اس ساز میں بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں مثلاً اب یہ لکڑی کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے دومبرا کی گردن علیحدہ لکڑی سے تیار ہوتی ہے آواز کے مختلف چھوٹے چھوٹے سوراخوں کی جگہ ایک بڑے سوراخ نے لے لی ہے اور بعض تار فولاد کے تیار ہونے لگے ہیں آرکسٹرے کی ضروریات کے مدنظر مختلف دومبرا مختلف سروں کے مطابق بنائے جانے لگے ہیں۔

اس آرکسٹرا پر دو طرح کے نغمات بجائے جاتے ہیں ایک تو وائن جھیل کا نغمہ جس میں قازق مناظر کی عکاسی کرتا ہے اور چراگاہوں کے گھوڑوں کے دوڑنے کا تاثر ملتا ہے یہ ایک روایتی ساز کی دھنیں ہیں اور ان کو آرکسٹرا نے اب اپنایا ہے دوسری قسم میں جدید دھنیں ہیں مثلاً ''بہار کی آمد'' اور ''چراگاہ میں چرواہے کا نغمہ'' ان میں نئی زندگی اور نئے خیالات کی عکاسی ہے گویا روایت کے ساتھ ساتھ نئے ماحول اور نئی زندگی کا اثر بھی دومبرا نغموں کا سرمایہ بن گیا ہے۔

سنکیانگ کے بہت سے پرانے موسیقار زندگی کے تلخ دن دیکھ چکے ہیں وہ سال بھر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے، خون پانی ایک کرتے لیکن انہیں پیٹ بھرنے کو روٹی نہ ملتی اور سردی سے بچنے کے لئے کپڑا میسر نہ آتا چین کے آزاد ہونے کے بعد ان کی روزی کی تلاش میں آوارہ گردی ختم ہوگئی اب کئی موسیقار موسیقی کی تعلیم دینے پر مقرر ہیں دوسرے روایتی موسیقی ترتیب دینے یا اس کا مطالعہ کرنے پر مامور ہیں اور کچھ اپنے فن کا باعزت طور پر مظاہرہ کر رہے ہیں۔

سنکیانگ میں ایک کہاوت ہے ''وہی پرندے بہار کی لذت کا حقیقی لطف اٹھاتے ہیں جنہوں نے موسم کی جان لیوا سردی دیکھی ہو'' سو یہی عالم اب سنکیانگ کے موسیقاروں کا ہے سنکیانگ کی ایک مطربہ خیر النساء نے جو مسلمان ہیں ایک مرتبہ ماؤ خوانامی ایک چینی ادیب کو بتایا کہ چین کی آزادی سے پہلے زمیندار کے ظلم کے ہاتھوں اس کا باپ لقمہ اجل بنا اور خود چار سال کی عمر میں بینائی سے محروم ہوگئی اور چنانچہ اس نے مجبوراً پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے سنکیانگ کے ایک ساز دوتار پر نغمے گائے وہ اکثر زمینداری کا کام بھی کرتی اور ذرا سی غلطی پر بھی اسے چابک کی مار پڑتی آزادی کے بعد خیر النساء کو بھی ان مصائب سے نجات ملی اور اب اسے سونے کے لئے اصطبل اور کھانے کے لئے ناکارہ اور بچی کھچی چیزیں نہیں ملتیں۔ 1956ء میں خیر النساء کی آنکھوں کا آپریشن کیا گیا اور اسے دوبارہ بینائی حاصل ہوگئی اور اب وہ چینی عوام کی مقبول اور مشہور مغنیہ ہے اور اس نے دو تارے کو ملک کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے اب وہ تہذیبی ارتقاء کے لئے ''تریم لیبن'' کے علاقے میں اپنے بہادروں کی کہانیاں جمع کر کے انہیں نغموں میں ڈھال رہی ہیں اور اب لوگ اسے ''ہماری گلوکارہ'' کے نام سے پکارتے ہیں۔

سنکیانگ میں نئے گلوکار دن بدن بڑھ رہے ہیں سنکیانگ کے دارالحکومت ''ارمچی'' کے جنوبی مضافات میں سبزہ

زاروں اور سرخ مہکتے ہوئے سیبوں اور انگوروں کے پیڑوں میں گری گھری ہوئی ''سنکیانگ آرٹ سکول'' کی عمارت ہے جہاں سیبوہان، اوئی غر اور قازق فن کار مختلف دیہات اور چراگاہوں میں بسنے والی مختلف چینی اقوام کے نوجوان موسیقی میں گریجویٹ ہو چکے ہیں اس طرح یہ سکول سنکیانگ کے گلوکاروں اور رقاصوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ کر رہا ہے۔

اس طرح پچھلے دس سال میں پیکنگ کی قومی مرکزی درسگاہ (Cental Institute of National music) اور چینی روایتی موسیقی کی درسگاہ Institute of Chinese Traditional Music اور شنگھائی کے تحفظ موسیقی کے ادارے نے بھی سنکیانگ کی مختلف قوموں کے نوجوان موسیقاروں کو تربیت دینے کا کام سرانجام دیا ہے ان میں رابعہ نامی ایک لڑکی نے جواب سنکیانگ کے نغمہ ورقص اور جدید ڈرامے کے تھیٹر میں بھی کام کرتی ہے شنگھائی میں تعلیم حاصل کی اس کا ایک نغمہ ''ریل آ گئی'' بہت مقبول ہوا ہے اس نغمے میں اس علاقے میں ریل کی آمد کا نقشہ کھینچا گیا ہے لوگ ریل کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اس دلکش نغمے میں ریل کی تیز رفتاری اوئی غر کے بوڑھوں کی حیرت، بچوں کا مسرت سے اچھلتے کودتے ہوئے تماشہ دیکھنا عجیب اور خوبصورت انداز میں سمویا گیا ہے رابعہ کی کوشش یہ ہے کہ مغرب کے نغموں اور سنکیانگ کی موسیقی کا طرز اس طرح یکجا کر دیا جائے کہ نئے دور کے خیالات اور جذبات بڑے واضح قومی رنگ میں ان نغموں کی روح بن جائیں۔

ایک اور لڑکی مایوے اے حال ہی میں چین کی موسیقی کی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہو کر سنکیانگ واپس گئی ہے وہ مختلف قوموں کے نغمات چینی زبان میں بڑی روانی اور خوبصورتی سے گا سکتی ہے اس کے علاوہ اوئی غر، قازق اور سیبو زبانوں میں بھی اسے ملکہ حاصل ہو گیا ہے وہ ہر قوم کے نغموں کی نمایاں خصوصیات سے پوری طرح آشنا ہے وہ سنکیانگ میں جہاں بھی جاتی ہے اس کا عدیم المثال خیر مقدم ہوتا ہے سنکیانگ نغموں کی سرزمین ہے اور اب جمہوریت چین کی خصوصی توجہ اس نغماتی علاقے کے نغموں کو اور بھی سنوار رہی ہے اور نغمات کو حقیقی معنوں میں عوام کی خدمت اور مقصدیت کا حامل بنا رہی ہے۔

آپ سنایئے کہ پنڈی کے دوستوں کا کیا عالم ہے۔ کلیم صاحب کیسے ہیں انہوں نے میرے خط کا یا تو جواب نہیں دیا یا ان کا خط کہیں راستے میں کھو گیا ہے۔ تابش کس حال میں ہے؟ نعت خوانی جاری ہے؟

احباب سے سلام کہیں

آپ کا

خاطر غزنوی

مولانا عبدالقادر

پیکنگ

16 مئی 1966ء

گرامی قدر مولانا صاحب، السلام علیکم!

آپ نے کسی خط میں چین میں مذہب کے بارے میں دریافت کیا تھا اس وقت میری معلومات بہت محدود تھیں اور میں اس سلسلے میں کوئی جواب دینے سے معذور تھا اب جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے تحت یہ پتہ چلا ہے کہ چین کے آئین کی رو سے مذہبی عقائد کی حفاظت قانونی طور پر کی جاتی ہے ویسے چین کے لوگ مذہب کو ایک پرائیویٹ یا نجی قسم کی چیز سمجھتے ہیں

مذہب ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے چین کی بنیادی پالیسی کے تحت سیاست اور مذہب بالکل الگ چیزیں ہیں چین سوشلسٹ ملک ہے اور اس کا عقیدہ مارکس، اور لینن اور ماوزے تنگ کے خیالات کا مرہون ہے اور یہ خیالات مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں مختلف مذاہب کے معتقدوں سے کس طرح کا سلوک کیا جائے یہ دراصل ایک مسئلہ ہے چین مارکسزم اور لینن ازم کا پیرو ہے لیکن ہر شخص کے خیالات علیحدہ ہیں عوام مارکس اور لینن ازم کی تائید کرتے ہیں لیکن ملک کی آبادی کا ایک خاصہ حصہ مذہب میں اعتقاد رکھتا ہے عام مذاہب، اسلام، بدھ مت، تاؤازم، کیتھولک اور عیسائیت ہیں چین میں کئی خداؤں کی پوجا بھی ایک مذہب ہے جو 1957ء کی مردم شماری کے مطابق ایک کروڑ کے لگ بھگ ہیں بدھ دس کروڑ ہیں کیتھولک تیس لاکھ، پروٹسٹنٹ سات لاکھ، تاؤ بیس ہزار، یہاں اگر کوئی مذہب کا معتقد ہے یا نہیں اس کا خیال نہیں رکھا جاتا مذہبی آزادی ہے لیکن سیاسی عقیدہ مذہب پر حاوی رہتا ہے مثال کے طور پر ہم نے بعض مسلمانوں سے دریافت کیا کہ وہ نمازیں نہیں پڑھتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کام کو ترجیح دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ چین میں آزادی سے پہلے بھی لوگوں کی اکثریت مذہب میں اعتقاد نہیں رکھتی تھی۔

ہمارے چینی ترجمان نے ہمیں بتایا ہے کہ مارکس ازم اور لینن ازم کے پیرو مذہب میں اعتقاد نہیں رکھتے، مذہب عقائد و خیالات کا ایک مسئلہ ہے عقاید اور خیالات کا مسئلہ طاقت سے نہیں دبایا جاسکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے مارکسزم اور لینن ازم کے پیروکاروں کے خیالات کو نہیں دبایا جاسکتا ہے۔

پہلے دیہات میں مندر ہوتے تھے یہ مندر کسان بناتے تھے بدھ کے بت بھی عوام بناتے تھے ظاہر ہے کہ تب طاقت سے یہ مندر اور بت ختم نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے کہ یہ عوام نے بنائے تھے اب عوام کی اکثریت نے ان مندروں پر اعتقاد چھوڑ دیا ہے اب وہ اپنی قوت بازو اور اپنی کوششوں پر اعتماد کرنے لگے ہیں اب وہ بتوں اور مندروں کی بجائے بند بناتے ہیں تاکہ عوام کو فائدہ پہنچے گویا اب صرف پچھلی نسل یعنی بوڑھے لوگ ہی مذہب کے معتقد رہ گئے ہیں نئی نسل قوت بازو اور کام پر اعتماد کرتی ہے تبت میں اکثریت بدھ مت کے پیروکاروں کی تھی آزادی سے پہلے اگر فصل نہ ہوتی تو وہ اسے دیوتاؤں کی ناراضگی سے منسوب کرتے اب وہ بھی اسے اپنی کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں چین میں اب بھی مسجدیں اور گرجا گھر ہیں، مذہبی عقائد کے لوگوں کی مذہبی عبادات وغیرہ کے سلسلے میں ان کا قانونی طور پر خیال رکھا جاتا ہے مسلمانوں کے لئے چینی لفظ چھنگ چن استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں ''پاک صاف'' مسلمان یہاں گو بنگ چئے۔ (عید قربان) کھائی چائی چئے (عید الفطر یعنی روزہ کھولنے کا تہوار) مناتے ہیں۔

مذاہب کا تو خیال رکھا جاتا ہے لیکن ملاؤں کو جنہیں یہاں چینی میں اخوند کہتے ہیں تنخواہ نہیں دی جاتی کیونکہ چینیوں کے خیال میں اس طرح Exploitation ہوتی ہے، ملا روزی کمانے کے لئے کوئی دوسرا کام کرتا ہے۔

یہاں پیکنگ میں اسلامی اکیڈیمی ہے جس میں عربی زبان قرآن اور اسلامی روایات کا مطالعہ ہوتا ہے اس اسلامی اکادمی کا اصل حال بعد میں لکھوں گا۔ بدھ مت کی ایک اکیڈیمی بھی ہے۔

چونکہ مذہب کو یہاں ذاتی چیز سمجھا جاتا ہے اس لئے یہاں اسے عوام میں پھیلانے کے لئے تبلیغ کی اجازت نہیں ہے۔ مذہب کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھا جاتا ہے، مختلف مذاہب کی بعض رسوم ابھی باقی ہیں۔ مثلاً مسلمان مردوں کو دفن کرتے ہیں دوسرے مذاہب کے لوگ مردوں کو جلاتے ہیں مسلمانوں کے ہوٹلوں کی پیشانی پر لفظ چھنگ چن (پاکیزہ) ضرور لکھا

جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہوٹلوں میں اسلام کی رو سے تمام حرام اشیاء نہیں ملتی اور کچھ پوچھنا ہو تو حاضر ہوں۔

یادہ آداب

خدا حافظ

خاطر غزنوی

شہزاد کے نام

تھی اَن چن

دسمبر 66ء

شہزاد بھائی محبتیں

یہ خط میں چین کے صوبے خوپے کے صدر مقام تھی ان چن سے لکھ رہا ہوں۔ یہ شہر بندرگاہ ہونے کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے پیکنگ سے شمال مغرب کی طرف 120 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اسے چین کا مغربی دروازہ کہا جاتا ہے اس بندرگاہ سے جنوبی کوریا اور جاپان بہت قریب پڑتے ہیں اس میں سڑکوں اور ریلوں کا جال بچھا ہے تھن چن کا رقبہ چار ہزار مربع کلومیٹر ہے اور آبادی چار لاکھ ہے اس شہر کو صدر ماوزے تنگ اور سانگ لیو کی سرکردگی میں 15 جنوری 1949ء میں آزاد کرایا گیا گزشتہ سولہ سال میں اس شہر نے جو ترقی کی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آزادی کے بعد اس شہر کی ترقی کے لئے ایک پنج سالہ منصوبہ بنایا گیا جو تین سال میں مکمل ہو گیا۔ سولہ سال میں یہاں کا نیم نو آبادیاتی اور جاگیردارانہ نظام یکسر سوشلسٹ اور صنعتی بن گیا ہے جہاں پیداوار بہت زیادہ تھی لیکن مشینی صنعت میں صرف مرمت کا کام رہتا ہے اور کیمیائی میدان میں صرف سوڈا اور تیزاب تیار ہوتا ہے۔ اس شہر کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ چین نہیں بلکہ انگلستان کے کسی شہر میں گھوم رہے ہیں عمارتوں کا انداز بالکل مغربی ہے آزادی کے بعد اس شہر کی صنعتوں میں بنیادی تبدیلیاں ہوئیں اب یہاں مشینیں تیار ہونے لگی ہیں پریس، کوین اور سرنگوں کی مشینری، جنریٹر، زرعی مشینیں، کیمون میں استعمال ہونے والی مشینری تیار ہوتی ہے کیمیائی سامان کی تیاری میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے ربڑ کا سامان بھی تیار ہونے لگا ہے۔

شہزاد بھیا! چاہیئے تو یہ تھا کہ میں اپنے اس خط میں آپ سے چین کے شعر و ادب کے بارے میں گفتگو کرتا لیکن مجھے اس شہر میں جس چیز کو دیکھ کر تم بہت یاد آئے وہ سائیکل ہے تم بھی پاکستان میں سائیکل کی صنعت سے متعلق ہو اس لئے شعر و ادب کو اگلی فرصت کے لئے چھوڑ دیا ہے آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں بھی یہ صنعت ہے لیکن بیساکھیوں پر چل رہی ہے ہم اپنے سائیکل کو مضبوط ترین جانوروں، پرندوں اور انسانوں کا نام دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ سائیکل مضبوط ہے لیکن دوسرے ملکوں کے پرزوں کے مرہون ہو کر ہم ان ناموں کی اہمیت کو کم کر رہے ہیں یہاں ہم کو بائیسکل بنانے کی ایک فیکٹری دکھائی گئی جس میں ''فاختہ'' نام کا سائیکل تیار ہوتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہمارے ہاں کے ہاتھی قسم کے سائیکلوں کو یہ فاختہ ابابیل کی طرح نیچا دکھا سکتی ہے۔

اس فیکٹری میں آٹھ ورکشاپ ہیں اور ایک سائیکل کے لئے دو سو تیرہ پرزوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ فیکٹری دوسرے ملکوں سے کچھ نہیں منگواتی بلکہ خام مال سے خود سب کچھ تیار کرتی ہے اور ہر سائیکل دو ہزار طریقہ ہائے عمل سے گزر کر

پانچ گھنٹے میں تیار ہوتا ہے۔ یہ فیکٹری 1932ء میں جاپانیوں نے قائم کی تھی 1945ء میں جاپانیوں کی شکست ہوئی تو کومنتانگ حکومت نے اس فیکٹری پر قبضہ کیا اور سائیکل ''چنگ'' برانڈ کے نام سے تیار ہونے لگا لیکن اس کا معیار بہت ہی پست تھا، یہ سائیکل عوام میں اتنا بدنام ہوگیا کہ اس کو کئی بُرے ناموں سے یاد کیا جانے لگا مثلاً چھٹی کا سائیکل، ایک کا سائیکل، یا اسپرین، اسپرین اسلئے کہ یہ سائیکل جلد تھکا کر پسینہ لے آتا تھا چنانچہ اس کی فروخت پر برا اثر پڑا اور کاریگروں نے دوسرے کاموں کی طرف توجہ دینا شروع کردی آزادی کے بعد جب یہ فیکٹری سرخ چین کے عوام کے ہاتھ آئی تو تباہ ہوچکی تھی اور کارخانے میں مشینوں کا نام ونشان نہ رہا تھا۔

1950ء میں اس فیکٹری پر توجہ ہوئی اس نے بڑے پیمانے پر عمدہ اور معیاری کام شروع کیا اب چار لاکھ سائیکل ہر سال تیار ہوتے ہیں پیداوار پچاس گنا ہوچکی ہے سائیکل کی قیمت میں بھی 28.9 فیصد کمی ہوئی ہے۔

شہزاد بھائی! یہاں قیمتوں کے بارے میں ایک دلچسپ بات بھی سن لو یہاں ہر سال چیزوں کی قیمتیں کم ہوتی ہیں مثلاً اس سال یکم جنوری کو گوشت کی قیمت میں چار آنے فی سیر کمی ہوئی ہے۔ پہلے یہاں ایک سائیکل 49 گھنٹوں میں تیار ہوتا تھا اب پانچ گھنٹوں میں تیار ہوتا ہے کاریگروں کی تعداد تین ہزار ہے اس فیکٹری کو اچھی قیادت نے آگے بڑھایا ہے اب صرف ایک پراسس میں سائیکل تیار ہوتا ہے پہلے ویلڈنگ کے لئے سو سے زائد آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اب صرف چھ سات آدمیوں سے کام چلتا ہے پہلے رنگسازی پر تین سو آدمی کام کرتے تھے اب صرف چار پانچ آدمی کام کرتے ہیں فیکٹری والے تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی کئی خامیاں ہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ دور ہوجائیں گی۔ چین میں سائیکل بنانے کے پانچ بڑے پانچ چھوٹے کارخانے ہیں۔ تھین چن کی یہ فیکٹری بڑی فیکٹریوں میں شمار ہوتی ہے صرف تھین چن شہر میں سائیکل بنانے کی دو فیکٹریاں ہیں اس فیکٹری میں صرف ہنڈلوں کے پلاسٹک کے دستے، چمڑے کی گدی اور بٹوہ اور ٹائر نہیں بنتے۔ اس کارخانے میں عورتیں اور مرد مل جل کر کام کرتے ہیں۔

یہاں کی ایک اہم بات یہ ہے کہ سکولوں کے بچے یہاں ہفتے میں ایک دن باری باری آتے ہیں اور اپنی خوشی سے پرزے جوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ یوں بچوں کو سکول کے زمانے سے کارخانوں میں کام کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ تین سو بچے سپوکس کے سروں پر پرزے جوڑ رہے ہیں اگر ہر بچہ دن میں تین سو پیچ بھی جوڑے تو نو ہزار سپوکس تیار ہوجاتے ہیں۔ کیوں مشین بن گئے نا یہ تین سو بچے۔

دعا کرتا ہوں کہ تمہارا ''عقاب سائیکل'' بلندیوں پر پرواز کرے۔

تمہارا

خاطر غزنوی

سعید الرحمان

پیکنگ

13 مئی

سعید جی! تمہارا 19 مارچ کا خط پچھلی ڈاک میں ملا۔ بھیا تمہارے جتنے خطوط ملے ہیں سب کا ایک ایک کر کے

جواب دیا ہے کوئی جواب طلب خط میرے پاس نہیں آج میں نے تمہارے سب خطوط دیکھے سب پر جواب دیئے جانے کی تحریر موجود ہے یہ آخری خط تمہارا 19 مارچ والا ہے عید کارڈ کا جواب بھی دے چکا ہوں اس کے بعد جو خط لکھا تھا ممکن ہے اب تک وہ بھی آپ کو مل چکا ہو۔ مجھے حیرت ہے شمیم بھیروی کو میرا خط کیوں نہیں ملا اگر تمہیں بھی تمہارے خطوط کے جوابات نہیں پہنچے تو مطلب یہ ہوا کہ کہیں نہ کہیں ڈاک میں گڑبڑ ہے کبھی کبھی مجھے آپ کے جو لفافے ملتے ہیں وہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان پر انگریزی اور چینی زبان میں مہر ثبت ہوتی ہے کہ "یہ خط اسی حالت میں پہنچا ہے۔"

اختر جعفری کا خط بھی کل کی ڈاک سے ملا، نہایت مختصر غالباً ان پر کام بہت زیادہ ہے خط پر حافظ شیرازی کی آخری آرام گاہ کی تصویر ہے۔ خدا انہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے وہ تو انشاء اللہ ایران سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر آئیں گے لیکن یہاں کا نظام اس معاملے میں بالکل مختلف ہے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو ڈگریاں یا ڈپلومے نہیں دیئے جاتے امتحان ہمارے ہاں کی طرح یونیورسٹی کی سطح پر نہیں ہوتے اور نہ ہی دوسرے امتحانات کے لئے خصوصی ادارے ہیں۔ یہاں سمسٹر سسٹم ہے ہر ہفتے آزمائشی امتحان ہوتا ہے ہر ماہ امتحان ہوتا ہے اور سال کے بعد امتحان لیا جاتا ہے سارے امتحان اس مضمون کے اساتذہ کسی دوسرے استاد کے اشتراک سے لیتے ہیں اور سال کے بعد سارے امتحان کے نتائج کی اوسط نکال کر طالب علم کو ترقی دی جاتی ہے استاد طالب علم کے رویئے اس کے رجحان طبع اور اس کی محنت کو نظر میں رکھتا ہے اور سال کے بعد وزارت تعلیم کو طالب علموں کے بارے میں رپورٹ بھیج دی جاتی ہے وزارت ان طلباء کی استعداد اور کارکردگی کے مطابق ان کے کام کی جگہیں طے کر لیتی ہے امتحان کا نتیجہ ایک یا دو دن میں نکل آتا ہے اور فارغ التحصیل طالب علم کو جہاں وزارت تعینات کرے وہیں بھجوا دیا جاتا ہے یہ ڈگریاں یہ ڈپلومے ان کے خیال میں احساس برتری کو جنم دیتے ہیں اور فرد کو اجتماعیت کے احساس سے دور کرتے ہیں اس لئے یہ بات یہاں نہیں چلتی۔

یہاں پچھلے دنوں پاکستان کا رقص و موسیقی کا ایک طائفہ آیا جس میں فردوسی خانم (مشرقی پاکستان) نذیر بیگم (لاہور) منیر سرحدی (پشاور) خیسو خان (سندھ) رفیع انور اور ان کے ساتھ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے رقاص بھی تھے ان سے روزانہ ملاقاتیں ہوتی رہیں ہیں فردوسی بیگم، منیر سرحدی اور نذیر بیگم کو بہت پسند کیا گیا۔ فردوسی بیگم اور نذیر بیگم نے چینی گانے گائے البتہ پاکستانی رقاصوں نے چین کے نئے انداز کے بیلے کی جس بھونڈے انداز سے نقل کی اس سے چینی منفض ہوئے۔

طبیعت پچھلے دنوں خراب رہی، انجکشنوں کے چکر میں رہا۔ یہاں کی چینی نرسیں انجکشن کیا لگاتی ہیں گویا چاقو گھونپ دیتی ہیں لیکن درد نہ جانے کیوں نہیں ہوتا۔

باقی پھر

تمہارا

خاطر غزنوی

سعید الرحمٰن

پیکنگ

19-05-66

پیارے سعید! سلام محبت

یاران ہمہ شب کی دستاویز مل گئی ہے جس کا جواب اس اتوار کو لکھنے کا ارادہ ہے۔ بھائی بڑا دلچسپ مجموعہ ہے۔ ایمان

سے تم بڑا کام کر رہے ہو ہاں اب رہی مشورے والی بات ۔۔۔۔۔۔۔ مجھے یہ تجویز اس وقت نہایت پسند آئی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ پچاس خطوط کچھ زیادہ ہو جائیں گے اگر ٹائپ میں چھاپنے کا ارادہ ہو تو زیادہ سے زیادہ چالیس ورنہ تیس اور چالیس کے درمیان مناسب رہیں گے۔

بہر حال میں نے اس کی ابتداء کر دی ہے اور فاروقی صاحب کو اس سلسلے میں ایک طویل خط پچھلے ہفتے لکھ چکا ہوں۔ اس میں یوم مئی کی تقریبات کا ذکر ہے۔

تمہیں چینی تاریخ کے بارے میں آئندہ خط لکھ رہا ہوں یہ خط وہ ذاتی قسم کا ہے جو ریکارڈ میں نہیں آئے گا اور اس خیال سے بھی انہیں فوراً اس خط کا جواب مل جانا چاہیے۔

فاروقی صاحب کی ریت نبھانے میں کیوں کر فرق آئے گا۔ بھائی وہ تو وضع دار لوگ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام محبت، چین کے اکتالیس ٹکٹ بھیج رہا ہوں تمہارے لئے چیئرمین ماؤزے تنگ کی تصاویر کے یادگاری ٹکٹ خریدے تھے۔

اچھا اب بھابی کا بتاؤ ان کا کیا حال ہے مجھے یقین ہے کہ ان کی صحت اللہ کے فضل سے دن بدن اچھی ہوتی جا رہی ہے انہیں میرا سلام کہو اور تیر اور رخشی کو پیار، آغا جی کا کیا حال ہے انہیں میرا سلام کہیں ڈاکٹر صاحب مزے میں ہوں گے۔

ارے یار وہ جرمانوں کی محفلیں یاد آتی ہیں تو کلیجہ پکڑ کر رہ جاتا ہوں خدا کے لئے آج ہی لاہوری حلوائی کی دکان پر جا کر اندرسے خریدو اور میری روح پر فاتحہ پڑھ کر کھالو مجھے یقین ہے اسی دن میں بھی خواب میں اندرسہ کھالوں گا۔ آج برفباری ہو رہی ہے میں نے کلاس ختم ہونے کے بعد برآمدے میں برفباری کا نظارہ کرتے کرتے اچانک سنٹرل ہیٹنگ سسٹم کے ایک نل کو دیکھا اس کی ٹونٹی پر ایک چرخی سی لگی ہوئی تھی اور اس چرخی کا سائز اور شکل بالکل اندرسے کی طرح تھی میں اندرسے کا یہ نمونہ دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔

دیکھو! اگر مرحومین کی روح کے لئے ہم لوگ مختلف اشیائے خوردنی پر فاتحہ پڑھتے ہیں تو یقیناً اندرسوں پر میری روح کا فاتحہ مجھے اندرسوں سے یہاں لطف اندوز کر دے گا۔

اچھا بھائی خدا حافظ

خاطر

حمید اللہ صراف

تھین چن

28 جنوری 1966ء

برادرم حمید اللہ، سلام محبت

یہ خط پیکنگ سے نہیں تھین چن سے لکھ رہا ہوں۔ یہ شہر چین کے شمال مشرق میں ایک اہم بندرگاہ ہے اور اس پر بہت عرصہ انگریز حکمران رہے یہاں ہم گذشتہ چار دن سے سیر کے لئے آئے ہوئے ہیں۔

تھی ان چن سے خط لکھنے کا سبب یہ تھا کہ یہاں ہمیں ایک ایسی فیکٹری میں سیر کا موقع ملا ہے جس میں تمہیں خصوصی

طور پر بڑی دلچسپی ہوگی کیونکہ ایک تو تم جوہری ٹھہرے اور نیز آرٹسٹ بھی۔ یہ فیکٹری پتھر کے فن کی خصوصیت کی حامل ہے یہاں مختلف قسم کے پتھروں کو تراش کر مجسمے اور چھوٹی بڑی آرائش کی چیزیں بنائی جاتی ہیں زیادہ تر مجسمے ایک خاص قسم کے پتھر یعنی جیڈ کو تراش کر بنانے کا فن چین میں قدیم زمانے سے ہے اور چینی فنون لطیفہ میں اسے اہم مقام حاصل ہے اس فن کی بڑی پرانی تاریخ ہے خود اس فن کے ماہر بتاتے ہیں کہ یہ ہنر تین ہزار سال پرانا ہے۔ چھنگ دور کے بادشاہ چنگ لنگ 1736ء سے 1795ء کے زمانے میں پیکنگ اس فن کا مرکز بن گیا اور اس فن کے ماہرین کو پہلی مرتبہ شاہی دربار سے وابستہ کیا گیا، چھنگ خاندان کے زوال کے ساتھ ہی اس فن کو بھی زوال آنے لگا چین کی آزادی 1949ء کے وقت یہ عالم تھا کہ اس فن کے ماہر دوسرے کام کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔

موجودہ دور میں اس فن کو نئی زندگی ملی ہے اب فن پاروں میں طرح طرح کی رنگینیاں اور اقسام آ گئی ہیں اور اب اس فن کے ماہر فن کی بلندیوں کو چھونے لگے ہیں انسانی مجسمے، پھول، پرندے، جانور، برتن، شمعدان، عطردان، جام، مرتبان وغیرہ کی لاکھوں اقسام اور نمونے پتھروں اور مونگے مرجان (Coral) سے تیار ہوتے ہیں ان پتھروں میں آزادی وطن کی مختلف کہانیاں آزادی کی مختلف نامور شخصیتوں کے مجسمے، روایتی کہانیاں، مشہور ڈراموں کے اہم مناظر بھی تراشے جاتے ہیں۔

تھین چن کی جیڈ فیکٹری کے ڈائریکٹر نے ہمیں ساری فیکٹری کی سیر کرائی یہاں مختلف پتھر آتے ہیں تو ان کی رنگارنگی کو دیکھ کر ماہر فیصلہ کرتا ہے کہ اس پتھر سے کیا چیز بنانی مناسب ہوگی۔

یہ فیکٹری سہ منزلہ ہے ڈائریکٹر ہمیں سب سے پہلے اوپر کی منزل پر لے گئے اور حسب دستور قہوہ پلایا اور اس فیکٹری کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ انہوں نے کہا کہ ''یہ فیکٹری 1956ء میں نئے سرے سے قائم ہوئی شروع میں اس میں چھیالیس آدمی تھے اور تیس قسم کی اشیاء بنائی جاتی تھیں لیکن آج 500 اقسام کی اشیاء تیار ہوتی ہیں۔ 1963ء تک 300 قسم کی ہاتھی دانت، پتھر اور لکڑی کی اشیاء تیار ہونے لگیں۔ 1957ء میں صرف مجسمے بنائے جاتے تھے۔ 1958ء میں جب پارٹی نے ترقی اور محنت کے اصول کا نعرہ بلند کیا تو قوم میں کام کی لگن تیز ہوگئی اس وقت سے اب تک جیڈ میں 23 اقسام دریافت ہوئی ہیں اور مجسمے، پرندے، جانور اور برتنوں کے نمونے تیار ہونے لگے۔ ان کا معیار بھی بلند کیا گیا ہے چنانچہ اس فیکٹری کی پیداوار 1957ء کے مقابلے میں سو گنا بڑھ گئی ہے۔ 1957ء میں سات کمروں میں کام ہوتا تھا اب چار ہزار مربع میٹر جگہ میں کام ہوتا ہے اب ان اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہوئی ہے پہلے مزدوری بہت کم تھی اب مزدوری آٹھ گنا بڑھ گئی ہے پہلے عورتوں کو اس کام کی اجازت نہ تھی اب ماہرین میں نصف تعداد عورتوں کی ہے پرانے فن کار زیادہ تر ان پڑھ تھے اب سب جوان مڈل اور پرائمری تک خواندہ ہیں بعض یونیورسٹیوں کے گریجویٹ بھی ہیں ان کی کامیابی کا سہرا پارٹی کے سر ہے'' خاص طور پر چیئرمین ماؤ کی تحریروں نے ان کو علم، حب الوطنی، محنت اور ہمت کا درس دیا ہے''۔

ڈائریکٹر نے بتایا کہ فیکٹری کے کاریگروں اور نوجوانوں میں نصف وقت کام اور نصف وقت تعلیم کا طریقہ بھی رائج ہے اب فیکٹری میں کاریگروں کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے چین میں بیس ہزار آدمی یہ کام کرتے ہیں اب تک کسی غیر ملکی نے یہ کام نہیں سیکھا میں نے ڈائریکٹر سے پوچھا کہ اگر کوئی غیر ملکی یہ ہنر سیکھنا چاہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ اسے سکھایا جائے ڈائریکٹر نے کہا کہ اس سلسلے میں عوامی جمہوریہ چین کے متعلقہ محکمے (وزارت تعلیم) سے بات چیت ہو سکتی ہے میرا خیال ہے ڈیرہ اسماعیل

خان کے لکڑی کا کام کرنے والے کاریگروں کو یہاں بھیج کر بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اب تو پاکستان میں کئی اقسام کا سنگ مرمر دستیاب ہے اگر کچھ کاریگر یہاں سے یہ فن سیکھ کر پاکستان میں اسے رائج کریں تو پاکستان کروڑوں روپے کا زرمبادلہ اس فن اور صنعت سے کما سکتا ہے۔

اور سناؤ سوات کی زمرد کی کانیں کس حال میں ہیں۔ آج بھی کوئی ٹھیکہ دیکہ ہے یا نہیں۔

تمہارا

خاطر

سعید الرحمٰن

پیکنگ

8 جون 1966ء

پیارے سعید سلامت رہو۔ تمہارا 19 مئی کا خط ملا۔ فاروقی صاحب کا خط بھی مل گیا ہے اور محسن کا خط بھی مل گیا ہے محسن کے خط کا جواب میں نے تمہاری وساطت سے دے دیا ہے تم کہتے ہو مشاعرہ کامیاب نہیں رہا محسن کہتا ہے کامیاب رہا خدا جانے کون سچ کہتا ہے کون جھوٹ ویسے میرا خیال ہے کہ مشاعرہ کا سیکرٹری محسن ہوگا اس لئے مشاعرہ کامیاب رہا۔ چونکہ تم سننے والوں میں سے تھے اس لئے مشاعرہ کامیاب نہ رہا۔ لیکن یہ تو کسی نے نہیں لکھا کہ ندیم اور قتیل کے علاوہ اور کس کس نے مشاعرے میں شرکت کی کیا صادق نسیم بھی اس مشاعرے میں آیا تھا اس کا موجودہ پتہ کیا ہے؟ یار اب تک میرے خواب میں ”اندرسے“ نہیں آئے تم نے کب میری روح کو اندرسوں کا ثواب پہنچایا تھا؟ اگر 22 مئی کو پہنچایا تھا تب مجھے ضرور ثواب پہنچا ہے اس لئے کہ اس دن کرنل زاہد صاحب نے جنرل رضا صاحب کو الوداعی دعوت دی ایک روایتی ہوٹل پچوان میں جو مرچ کا کھانا بنانے میں مشہور ہے وہاں ہم نے 19 قسم کے کھانے کھائے اور واقعی یہ 19 کھانے حقیقی چینی کھانے تھے بات دراصل یہ ہے کہ چین کھانے کے معاملے میں بہت آگے رہا ہے جہاں واقعی ہزاروں قسم کے کھانے اور ہزاروں طریقوں سے پکائے ہوئے کھانے ملتے ہیں لیکن اب اس طرف توجہ نہیں دی جا رہی اس کا سبب یہ ہے کہ چین اب زندگی کی لذتوں سے پرہیز کرنے لگا ہے۔ چینی اپنے ملک کی تعمیر میں رات دن کوشاں ہیں اور ملک کی تعمیر کی خاطر انہوں نے خوراک رہائش اور لباس کو پس پشت ڈال دیا ہے اب یہ سادہ پہنتے ہیں کہ اچھا پہننے سے توجہ لباس کی طرف رہتی ہے۔ آدمی ہر وقت لباس پر سے گرد جھاڑتا رہتا ہے اور کام نہیں ہوسکتا یہ لوگ کام کرنا چاہتے ہیں اس لئے بڑے سے بڑے آدمی کے کپڑوں میں پیوند ایک روزمرہ کی بات ہے اور ان کو دیکھ کر افسوس کرتا ہوں کہ کیوں نہ اپنے سارے کنڈم کپڑے ساتھ لے آیا کم از کم وہ سارے کپڑے جو عمر کھا چکے ہیں یا کہیں نہ کہیں سے پھٹ گئے ہیں یا وہ پتلونیں جن کی سیٹوں پر پان کے پتے بنانے کی ضرورت ہے ساتھ لے آیا ہوتا تو یہاں آسانی سے دو سال کٹ جاتے اور پاکستانیوں کی طرح کپڑوں کو دیکھ کر مسکرانے والا یا انگلی اٹھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اب یہاں لوگ اچھے کپڑے (اچھے کپڑے دھلے یا صاف ستھرے نیلے رنگ کے بند گلے والے ٹھنڈے کپڑے کے کوٹ اور نیلی پتلون کو کہتے ہیں) صرف کسی تہوار یا تقریب کے موقع پر پہنتے ہیں کھانے کے سلسلے میں وہ محض پانی میں ابلی ہوئی سبزیاں، سویابین مونگ پھلی یا سرسوں کے تیل میں پکائی ہوئی گوشت کی ترکاری یا نمکین سویوں پر اکتفا کرتے ہیں اگر کوئی مہمان آ جائے تو گرمی ہو یا سردی ابلتا ہوا پانی

پیش کرتے ہیں نمکین سویوں پر یاد آیا کہ یہاں آ کر یہ عجیب چیز دیکھی کہ سویاں یہاں نمکین کھائی جاتی ہیں اور مرغی میٹھی ۔۔۔۔۔۔۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے جہاں تک رہائش کا تعلق ہے درسگاہوں میں دس فٹ، تیرہ فٹ کے کمرے میں چار چینی رہتے ہیں اور جو لوگ باقاعدہ نوکر پیشہ ہیں اگر کنوارے ہیں تو ایک کمرے میں دو آدمی اور شادی شدہ ہیں تو ایک کمرے میں میاں بیوی اور بچہ اگر ہے غرض یہاں ایسی مثال شاذ و نادر ملتی ہے جہاں ایک کمرے میں ایک آدمی رہتا ہو۔ یہ سہولت صرف غیر ملکی ماہروں کو حاصل ہے اسی لئے یہاں کی دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کی آبادکاری کوئی مسئلہ نہیں یہ لوگ رات دن ملک کی تعمیر میں کوشاں ہیں اور وہ وقت بہت قریب ہے جب کہ ایک آدمی کو ایک کمرہ یا شاید دو کمرے یا پورا گھر ہی مل جائے پاکستان میں جب تک ڈرائنگ روم اور ریڈنگ روم اور کھانے کا کمرہ نہ ہو تو آدمی مطمئن نہیں ہوتا ہاں تو بات کرنل زاہد کی طرف سے دی گئی جنرل رضا کی الوداعی دعوت کی تھی۔ 19 قسم کے کھانے آئے اور ہر کھانے میں پچھلے کھانے سے مرچیں کسی قدر زیادہ ہوتیں یہاں ہم نے پائے بھی کھائے، مچھلی گوشت بھی، سانپ کی چھتری بھی، بیف بھی اور مٹن بھی، بانس کی کونپلیں بھی، مرغی بھی، مچھلی اور پیکنگ بط بھی، پیکنگ بط کو کئی طریقوں سے تیار کیا گیا تھا غرض کھانے لذیز اور انواع و اقسام کے تھے چینی ایسے کھانے محض خصوصی تقریبات پر کھاتے ہیں ابھی ابھی کھانا کھا کر چہل قدمی کے لئے گیا تھا ہمارے کالج کے پاس ایک گاؤں ہے وہاں آج بھی گوبھی کاٹی گئی ہے گاؤں کی عورتیں لڑکیاں اور بچے گوبھی کے ڈنٹھل اور پتے اکٹھے کر رہے تھے دو لڑکیاں پتوں سے جھولیاں بھر کر جا رہی تھیں ایک لڑکی کی جھولی سے کچھ پتے زمین پر گر گئے تھے اب نہ وہ خود جھک کر پتے اٹھا سکتی اور نہ دوسری لڑکی اس کی مدد کر سکتی تھی اس لئے میں نے ہی ہمت اور جرأت سے کام لے کر پتے اٹھائے اور اس کی جھولی میں رکھتے ہوئے اس سے پوچھا یہ کیا کرو گی لڑکی نے کہا پکا کر کھائیں گے ۔ یہ بھی تو سبزی ہے۔۔۔۔۔ سبزی میں ڈنٹھل تو ہوتے ہی ہیں مختلف اور ہر قسم کا جانور جو یہ لوگ کھا جاتے ہیں اس کا فلسفہ معلوم ہوا ان لوگوں کا خیال ہے کہ جانور ہر قسم کا جانور ہی تو ہے اس لئے ان کے ہاں پاک یا ناپاک کا تصور نہیں ۔ اگر دنبہ، بھیڑ اور گائے کھائی جا سکتی ہے تو کتے اور سور کی بھی وہی حیثیت ہے سانپ اور چھپکلی اور مینڈک بھی ایک ہی قسم کی مخلوق ہے اور اس لئے ہر جانور کھانے کی چیز ہے اسے ضرور کھانا چاہئے یہاں جب ایک مرتبہ میں نے اپنے ترجمان سے یہ سنا کہ وہ کتے بھی کھاتے ہیں اور اسے بھی حیرت سے دیکھا تو اس نے بھی حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''کیوں۔۔۔۔۔ کتا تو بڑی ہی لذیذ غذا ہے اور مہنگی چیز بھی ہے اور ہر ایک کو نصیب بھی نہیں ہوتا۔''

تمہارا

خاطر غزنوی

پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پیکنگ

10 جون 1966ء

گرامی قدر فاروقی صاحب السلام علیکم

آپ کا 25 مئی کا خط 6 جون کو ملا خوشی ہوئی کہ شعبے کے چھوٹے جلسوں کو بھی اہمیت دی جاتی ہے دراصل آپ ایسے جلسوں کو ناظرین کے نقطہ نظر سے چھوٹا کہتے ہیں ورنہ رنگ روپ کے لحاظ سے یہ کسی طرح چھوٹے نہیں ہوتے بلکہ جس

اطمینان اور دلچسپی اور خاموشی سے چھوٹے جلسوں کی تقاریر سنی جاتی ہیں وہ بڑے جلسوں میں کہاں ممکن ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اس مرتبہ کن طلبہ نے انعامات حاصل کئے اور کون کون شعبے میں حاضری اور تعلیمی لحاظ سے بہترین قرار دیئے گئے میری دلچسپی اب بھی ہر طالب علم میں ہے کیا اچھا ہوا گر امان اللہ صاحب حسب معمول زحمت فرما کر طلباء کے پتوں کی ایک نقل مجھے بھجوادیں تا کہ انہیں مبارکباد کے خطوط لکھ سکوں نتیجے کے لئے ہادی صاحب سے درخواست کروں گا۔

وقار عظیم صاحب کی بیماری کی تشویش ہے سنا ہے وہ چین سے ہی تین دن پیشتر چلے گئے تھے اللہ ان کو صحت کاملہ عطاء کرے۔

میں نے وائس چانسلر صاحب کو یہاں کے سفیر جنرل رضا صاحب کی الوداعی دعوت کی خبر اور سپاسنامہ بھیجا ہے جس میں چودھری صاحب کا اور پشاور یونیورسٹی کا ذکر ہے ایک تصویر بھی بھیجی ہے جس میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی طرف سے چین کی وزارت تعلیمات عالیہ کے نائب وزیر کو ملتانی گلدانوں کا تحفہ دیا جارہا ہے شاید وہ یہ دونوں چیزیں نیوز لیٹر میں شائع کروادیں پہلا نیوز لیٹر مل گیا تھا یوسف علی خان صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں اور خوشی ہے کہ وہ بخیر و عافیت پاکستان پہنچ گئے ہیں اگر وہ اسی طرح پرچہ بھجوادیا کریں تو میں بے حد شکر گزار ہوں گا کہ مجھے اپنی یونیورسٹی کی سرگرمیوں کی اطلاع ملتی رہا کرے گی۔

اگر مجھے اردو کا قاعدہ بک پوسٹ سے اسلام آباد کے پتے سے بھجوادیں تو بے حد شکر گزار رہوں گا کیونکہ مولانا صاحب نے جو کتب بھجوائی ہیں وہ مجھے غالباً ستمبر سے پہلے نہیں مل سکیں گی کیونکہ سمندر کے راستے مجھے فروری 18 کا چلا ہوا فنون کا پرچہ مئی کے وسط میں ملا تھا اور یہاں قاعدے کی اشد ضرورت ہے اس وقت تو اپنے طور پر ایک قاعدہ بنالیا ہے۔ مولانا صاحب کو خط لکھا ہے لیکن غالباً سیزن کے سبب وہ جواب جلد نہ دے سکیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کون کون سی کتابیں بھیجی ہیں۔ میں نے یہاں سے ''سرحد کے رومان'' کے سرورق کے لئے ایک نمونہ بھجوایا تھا نہ جانے وہ بھی انہیں ملا یا نہیں یہاں ہم نے چینیوں کو پڑھانا شروع کیا ہے چینی 5 یوان دینا چاہتے تھے ہم نے درخواست کی ہے کہ (ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ انہوں نے بنگالی کلاس بھی شروع کردی ہے) ہم کچھ نہیں لینا چاہتے۔

آپ کا نیازمند
خاطر

جوہر پراچہ

پیکنگ
10 جون 1966ء

عزیزی جوہر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(1) آپ کا مفصل خط ملا، طبیعت خوش بھی ہوئی اور آپ کی طرف سے فکر بھی ہوئی کہ ''اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے''۔ لیکن خیر دیر آید درست آید۔ ستمبر کا مہینہ جو اور لوگوں کے لئے خزاں کا مہینہ ہوگا آپ کے لئے بہار کا مہینہ بن جائے گا۔

(2) کوہاٹ کا ذکر کیا تو اک تیر میرے سینے پہ مارا ہائے ہائے۔ جوہر نہ پوچھو اب تو پاکستان کے لق و دق صحرا اور چٹیل میدان اور خشک پہاڑ بھی جنت لگتے ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں یا یوں کہو کہ وہ جنت اپنی جگہ ہے آدم بے چارے کو اس جنت

سے نکال دیا گیا ہے۔ کوہاٹ تو اکثر جانا ہوتا ہوگا کیا حال ہے یاران نجد کا۔ ایوب صابر، اختر وارثی صاحب، غلام حیدر، اختر صاحب، عطوف شفیق، دلبر شاہ اور سارے نوجوان لکھنے والے مجھے تو یہاں انجم بریلوی بڑا یاد آتا ہے اور اس ضمن میں کہ یہاں چینی زبان پڑھتے ہوئے اس کی پشتو دانی کا خیال آتا ہے کوئی ہماری یہاں چینی زبان کی تعریف کرتا ہے تو ہم انجم بریلوی کی پشتو کی دل ہی دل میں تعریف کرتے ہیں۔

(3) چینی زبان کا ذکر چلا تو عرض ہے کہ ساڑھے سات سو صفحوں کی دو کتابیں ختم کرلیں ہیں ان میں 72 اسباق ہیں اور ان کے ختم کرنے کے بعد ہم ساڑھے آٹھ سو کیریکٹر سیکھ گئے ہیں اب تیسری نئی کتاب شروع کی ہے اور ڈیڑھ ہفتے میں ساتویں سبق پر پہنچ گئے ہیں اور مزید ساڑھے تین سو کیریکٹر سیکھ لئے ہیں پہلے جو دکانوں کے سائن بورڈوں پر چینی زبان میں کیریکٹر کے پنجرے لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے ان کے اندر بند پرندے ہمیں نظر نہ آتے تھے لیکن اب اکثر پرندے نظر آنے لگے ہیں صرف نظر ہی نہیں آنے لگے بلکہ انکے چہچہے بھی سننے میں آتے ہیں اور ان کے چہچہوں کا مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً یہی کاغذ دیکھو یہ بازار سے کام اور خطوط کے لئے خریدا ہے اور اس پر جو عبارت لکھی ہے وہ بڑی واضح ہے یعنی مڈل سکول کے حساب کے کام کے لئے خصوصی کاغذ اور اس میں کلاس کا نام طالب علم کا نام اس کا رول نمبر اس کے خصوصی مضمون کا نمبر اور یہ کہ صفحے کا کیا نمبر ہے اب ساری باتیں سمجھ میں آتی ہیں انشاء اللہ اگلے خط میں ایک چینی زبان کا مضمون اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ لکھ کر بھیجوں گا جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہم ساڑھے پانچ ماہ میں اتنی چینی زبان سیکھ گئے ہیں جتنی پاکستان میں انٹر پاس طالب علم کو انگریزی بھی نہیں آتی۔

(4) طالب علم اور پاکستانی طالب علم کا ذکر آیا تو حیدر آباد یونیورسٹی کی طالبہ کا خیال بھی آیا آخر پاکستانی طالبہ ہے نا امتحان کے آخری دنوں میں خویشگی کی نسوار نے زور کیا اور لوگوں کے متعلق معلومات کرنے چلیں ویسے ان کا ایک مختصر خط ہمارے یہاں ایک پاکستانی ساتھی طالب علم ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو بھی آیا تھا اور اس نے انہیں میرے متعلق لکھا تھا میں نے کچھ مختصر حالات لکھ دیئے تھے اور اسے بعض کتب کے مطالعے کا مشورہ بھی دیا تھا خدا جانے اسے وہ خط ملا یا نہیں پھر اس کی کوئی خبر نہیں آئی کہ بے چاری زندہ ہے یا حق مغفرت کرے چل بسی۔

(5) حق مغفرت کرنے سے خیال آیا کہ یوم اقبال وفات پاتے پاتے بچ گیا فاروقی صاحب نے لکھا کہ مختصر جلسہ ہوا لیکن کامیاب ہوا اور وی سی صاحب اور ڈاکٹر عمر حیات ملک صاحب تعریف کررہے ہیں بڑی خوشی ہوئی ہم بھی یہاں یوم اقبال منا رہے تھے لیکن بنگالیوں نے نذر الاسلام کا پتھر لڑھکا کر اسے قتل فرمادیا اور آئندہ ہم سوچ رہے ہیں کہ انشاء اللہ بغیر شرکت غیرے یہاں یوم اقبال منایا جائے اور ضرور منایا جائے اور مشاعرے میں صرف ''ہم'' ہی نظمیں نہ پڑھیں چینیوں سے بھی پڑھوائیں۔

(6) مشاعرے کی بات چلی تو جشن خیبر کے مشاعرے کا خیال آیا جس کا ذکر آپ نے فرمایا اور ساتھ ناامیدی بھی ظاہر کی اب تو وہ مشاعرہ ہو چکا ہوگا فرمان کیسا رہا کون کون شعراء باہر سے آئے کیا مشاعرے کے دن حسب معمول بارش ہوئی اور لوگ گھروں کو واپس بھاگے یا دلجمعی سے پچھلے برس کی طرح سنتے رہے۔

(7) گھر واپس بھاگنے یا آجانے سے آغا کی گھر واپسی یاد آئی آغا خوش قسمت ہیں گرمیاں گھر میں گزاریں گے اور بیگم صاحبہ سمیت واپس ایران کی بہار لوٹنے جائیں گے انہوں نے مجھے پوسٹ کارڈ لکھا تھا جس کا میں نے بڑا مفصل جواب دیا لیکن انہوں نے اب تک اس خط کا جواب نہیں دیا۔

(8) خط کا ذکر آیا تو لگے ہاتھوں اپنے بھیجے ہوئے ٹکٹوں کا شکریہ قبول کیجئے۔

(9) شکریہ قبول کرتے ہوئے اب میرا شکریہ بھی ادا کیجئے، کتنا خوبصورت کیلنڈر ہے اور بیک وقت کتاب کا مارکر بھی۔ یہ مارکر 1985ء تک چلے گا لیکن سوال یہ ہے کہ 1985ء تک اسے آپ سنبھال کر رکھیں گے؟ دوسرا مارکر گرمیوں میں استعمال کا ہے اس لئے کہ یہ صندل کی لکڑی کا ہے اور آپ اسے کلاس میں اور اپنے کمرے میں اور گھر میں رکھئے تو خوشبو پھیلے گی اور آپ فرحت حاصل کریں گے یہ اس لئے اب بند خط میں بھجوا رہا ہوں کہ خدشہ ہے کہ یہ بھی انور میاں حسب معمول نہ اڑا لیں اور انور میاں کو کوئی چیز پسند آجائے تو فاروقی صاحب اس کے آگے انکار نہیں کر سکتے۔

(10) فاروقی صاحب کا ذکر چلا تو ان کی توسیع کا خیال آیا بڑی مسرت ہوئی۔

اب آپ یہ خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم رکھیئے یہ نہ ہو کہ گرمی کی چھٹیوں میں سارا دن سوئے رہیں اور خط کی بات آئے تو ستمبر پر ٹال جائیں۔ طالب علموں کا کیا حال ہے ایک ایک کا حال لکھئے بھائی صاحب سے سلام۔

آپ کا مخلص

خاطر غزنوی

سعید الرحمٰن

پیکنگ

24 جون 1966ء

پچھلے ہفتے اپنی بیماری کا لکھا تھا اب مزید تفصیل سنئے۔ وہ انگلیوں کا درد سفر کرتا ہوا کہنیوں سے چار انچ اوپر دونوں بازوؤں میں پہنچ گیا ہے اور بازو اور گردن سے کندھے میں کچھ اس طرح کی تھکاوٹ سی رچ گئی ہے جیسے بہت بوجھ اٹھایا ہوا ہو یا بازو ٹوٹ گئے ہوں بالکل کندھے تھکے تھکے بے جان ہو گئے ہیں کانوں کی اوووں میں خارش ہوتی ہے چنانچہ پرسوں مجھے پیکنگ کے بڑے ہسپتال لے جایا گیا جہاں جلد کی بیماریوں کے ڈاکٹر اور اعصابی بیماریوں کے ڈاکٹروں نے دیکھا اور تشخیص کیا (Neurosis) ہو گیا ہے چنانچہ انجکشن، پینے کی دوائی، کھانے کی گولیاں اور ہاتھ دھونے اور پاؤں پر لگانے کی دوائیں دی گئیں دیکھئے کیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ ذرا ڈاکٹر صاحب سے تفصیل پوچھئے۔ پشاور کا موسم کیسا ہے یہاں تو اب ہر روز بارشیں ہو رہی ہیں بالکل پشاور کے برسات کے موسم کا عالم ہے گرمی ہے تو سہی لیکن ایسی شدید نہیں لیکن یہاں کے لوگوں نے تو کپڑے اتار پھینکے ہیں۔

آپ کا

خاطر

یاران ہمہ شب کے نام

ہانگ چو

26 جولائی 1966ء

اے میرے بزرگو! بھائیو! دوستو! انی من ہاؤ۔ یہ خط میں آپ کو چین کے ایک مشہور ہانگ چو میں غیر ملکی چینیوں کے ہوٹل ''خواچیافن تی ان'' سے لکھ رہا ہوں جو جنوبی چین میں واقع ہے شنگھائی سے یہاں تک دو گھنٹے کا سفر ہے میں یہاں کیسے پہنچا

یہ بھی سن لیجئے ہمارے امتحانات ختم ہوگئے ہیں نتائج نکل آئے ہیں ہم کامیاب ہوگئے ہیں سو اب چھٹیاں ہیں اور ان چھٹیوں میں اکثر طلباء اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے جاتے ہیں چند ایک جو میڈیکل اور انجینئرنگ میں داخلہ لینے والے ہیں وہ اگلے سیشن تک متعلقہ کالج میں داخلے کا انتظار کررہے ہیں یہ عرصہ یہاں بوریت کا تھا۔۔۔۔ یکسانیت کو توڑنے کے لئے انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ہر سال چھٹیوں میں چین کے کسی نہ کسی علاقے کی سیر کرائی جاتی ہے لیکن یہ نہ سمجھئے کہ چینی مفت کی سیر کراتے ہیں مفت والا سلسلہ صرف افریقی ممالک کے طلباء کے لئے ہمارے لئے نہیں البتہ رعایت یقیناً دی جاتی ہے یعنی ہمیں جنوب کے چار شہروں ہانگ چو، شنگھائی، اوشی، نانکنگ کے سفر کے لئے پینتیس (35) یوان یعنی مبلغ ستر روپے پاکستان کلدار دینے پڑے ہیں اور کھانے وغیرہ پر ہم اپنے پلے سے خرچ کریں گے جس کا تخمینہ 3 یوان یا چھ روپے یومیہ بنتے ہیں اور سفر پندرہ دن کا ہے تو ہم لوگ 23 جولائی کو ساڑھے بارہ بجے پیکنگ سے ریل میں اپنے سفر پر روانہ ہوئے گیارہ بجے انسٹی ٹیوٹ سے چلتے وقت میرے ہی ایک ساتھی نے میرے ہاتھ میں رجسٹر خط کی رسید تھما دی میں دوڑتا دوڑتا ڈاکخانے گیا اور وہ خط لے آیا جو میرے اکیس بزرگوں، دوستوں، بھائیوں اور عزیزوں نے مجھے مشترکہ طور پر لکھا اور جس کی ترتیب میں سعید نے اپنی جان لڑائی ہے بہرحال میں سعید بھائی اور تمام احباب کا شکر گزار ہوں لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ میرا سفر اس خط کے سبب اور زیادہ حسین اور دلچسپ ہوگیا ہے میں نے انسٹی ٹیوٹ سے پیکنگ ریلوے سٹیشن تک قہقہوں اور آنسوؤں کی دھوپ چھاؤں میں یہ خط پڑھا۔ لیکن سیری نہ ہوئی اور پھر پیکنگ شنگھائی تک ساڑھے چھبیس گھنٹوں کا سفر تھا بار بار یہی خط پڑھتا رہا۔ 24 جولائی کو ہم شنگھائی پہنچے اور چین کے دو مشہور دریا دریائے زرد اور دریائے یانگسی دیکھے ایک عجیب بات یہ ہے کہ دریائے یانگسی پر شنگھائی کو براہ راست جانے والی ریل کا پل نہیں ہے دریائے یانگسی پار کرتے وقت مشرقی پاکستان کی ریل یاد آ گئی یہاں دریا کے کنارے پہنچ کر ریل کے ڈبے علیٰحدہ علیٰحدہ کردیئے گئے اور ان ڈبوں کو ایک جہاز پر لاد دیا گیا ہمارے ڈبوں کے دروازے بند کردیئے گئے اور ہم پنجرے میں بند پرندوں کی طرح ڈبوں کی کھڑکیوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر باہر کا نظارہ کرتے رہے جہاز نے ہمارے ڈبے دوسرے کنارے پر پہنچا دیئے دوسرے کنارے پر مشہور شہر نانکنگ ہے جسے ہم واپسی پر دیکھیں گے شنگھائی سے ہانگ چو کے لئے ریل سے پانچ بجے روانہ ہونا تھا دو گھنٹے ہمیں شنگھائی سیر کے لئے مل گئے شنگھائی کی محکمہ تعلیم کے سربراہ ہمارے استقبال کے لئے اسٹیشن پر پہنچی ہوئی تھی ویٹنگ روم میں قہوے اور گرم پانی سے (جو چین میں مہمان نوازی کا ایک پہلو ہے) ہماری تواضع کی گئی پھر ہمیں ایک خوبصورت اور نئی بس میں سارے شنگھائی کی سیر کرائی گئی یہ بس شنگھائی ہی میں بنائی گئی ہے اور اس کا نام بھی شنگھائی ہے چینیوں کا یہ پہلو قابل تقلید ہے کہ انہوں نے خود کفیل بننے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور اب یہ گھڑی کے لیور سے لے کر بھاری سے بھاری مشینری تک سب کچھ خود بناتے ہیں اور ان کے عظیم قائد ماؤزے تنگ نے کہا ہے ''خود کفیل بونا کامیوں سے نہ ڈرو! کامیابی کی منزل پر پہنچنے کے لئے ناکامی کے راستے پر سے گزرنا پڑتا ہے ہمت کرو محنت کرو اور آگے بڑھتے جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' اور واقعی یہ ایسا ہی کررہے ہیں اور یہ قوم جس انداز سے ترقی کررہی ہے وہ ساری دنیا کے لئے کھلا چیلنج ہے اب بات ذرا طویل ہوگئی ہے بات بس سے چلی تھی اور بس کی طرح خیالات بھی شنگھائی کی بجائے چین کی ترقی کے بنیادی اسباب کی طرف رواں دواں ہوگئے جی ہاں شنگھائی شہر کی سیر کی پھر دریائے نانگ پو کے کنارے کے مشہور مقام ''بند'' پر کچھ دیر فوٹو گرافی ہوئی اور واپس اسٹیشن پر پہنچے تو ریل کا وقت ہو چکا تھا ریل ہانگ چو کی طرف چل پڑی۔

شنگھائی سے ہانگ چو کا رستہ بڑا پرفضاء تھا تالاب، نہریں، سبزہ، چاول کے دور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کی ہریالی کی ٹھنڈک آنکھوں میں رچ رہی تھی اور جسم گرمی کے مارے پھک رہا تھا حلق میں پیاس سے کانٹے پڑ رہے تھے ٹھنڈا پانی عنقا تھا گرم پانی حاضر، لیکن گرم کا مطلب عام معنوں میں گرم نہیں۔ گرم کا معنی ابلتا ہوا پانی جسے یہ لوگ ایک سو پانچ ڈگری کی گرمی میں چائے کی طرح سُر کی سُر کی پیتے ہیں ہاں تو نہروں میں کشتیاں چل رہی تھیں اور کھیتوں میں تکوں کی بڑی بڑی ہیٹ نما ٹوپیاں پہنے چینی مرد عورتیں لڑکیاں اور بھی چاول کی پنیری بونے میں مصروف تھیں کوئی صرف ایک بھینس ہل کے آگے باندھ کے چاول کی دلدلی زمین میں ہل چلا رہا تھا اور کوئی کٹی ہوئی فصل لکڑی کے ایک بڑے ٹب میں پٹک پٹک کر دانے الگ کر رہا تھا۔ میں نے ان دھان بولے والی لڑکیوں پہ ایک تین مصرعہ کی نظم کہی ہے۔ دھان کے کھیت کی ہر اک لڑکی کالے کیچڑ میں لتھڑی ہے لیکن ان کے گیت اجلے ہیں شام سات بجے ہم ہانگ چو ریلوے اسٹیشن پر پہنچے پولیس نے ہم سب طالب علموں کے ہانگ چو شہر کی سیر کے اجازت نامہ کا معائنہ کیا اور پھر ہمیں ایک بس میں ''خواچھیاؤ فن تی ان'' یعنی سمندر پار کے چینیوں کے ہوٹل میں لے جایا گیا ہانگ چو شہر چین کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ہے ہانگ چو اور ایک دوسرے شہر سُو چو کے متعلق چینی کہاوت ہے ''اوپر آسمان پر جنت ہے اور نیچے زمین پر ہانگ چو اور سو چو۔۔۔۔۔۔'' تو گویا چین کا یہ شہر فردوس بروئے زمین است اور اس وقت آپ کا دوست چین کی جنت میں ہے۔ اللہ اسے مغفرت کر کے جنت میں لایا ہے عجب آزاد مردی ہے۔۔۔۔۔۔۔ تو اب اس جنت کا حال بھی سن لو میرا خیال ہے دنیا کے ہر حصے میں جو جنت کا تصور ہے اس میں سبزہ، گل اور پانی کو اولیت حاصل ہے سبزے کا ذکر میں کر ہی چکا لیکن یہاں پہنچنے کے بعد احساس ہوا کہ راستے کا سبزہ تو کچھ بھی نہ تھا یہاں سبزے کا ساتھ پھول دیتے ہیں۔ پانی میں پھول، خشکی پر پھول، جھیلوں میں پھول، تالابوں میں پھول ہر طرف پھول ہی پھول آب کا جہاں تعلق ہے۔ یہاں ہر طرف آب ہی آب ہے دریا، جھیل، تالاب اور چشموں سے تو پھوٹتا ہے ہی بدن سے بھی پسینے کی صورت مزدوروں کا پانی محنت کا ثبوت پیش کرتا ہے ہانگ چو شہر کے مغربی کنارے پر ایک بہت بڑی جھیل ہے ہوا تو آج کل گرم بڑی ہے پسینوں سے ہمارا برا حال ہو رہا ہے دن میں چار مرتبہ نہاتے ہیں علی الصباح، دوپہر، سہ پہر اور سونے سے پہلے اور رات پنکھے کے بغیر نہیں کٹ سکتی لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ ہوٹل کی خادمہ (یا خادم) رات کو دو دو مرتبہ ہر کمرے میں جا کر پنکھا بند کر دیتی ہے دو مرتبہ اس لئے کہ پہلی مرتبہ پنکھا اس کے چلے جانے کے بعد کھول دیتے ہیں اسلئے اسے دوسری مرتبہ آنا پڑتا ہے دوسری صبح ہم نے اس کا پنکھا بند کر دینے والی منطق کا پتہ چلایا معلوم ہوا کہ تین گھنٹے سے زیادہ پنکھے کی ہوا میں رہنے سے زکام کا خطرہ ہے اس لئے یہ لوگ رات بھر یہ کارروائی کرتے رہتے ہیں ہمیں جھیل کی سیر کرائی گئی جھیل میں دو تین جزیرے ہیں جھیل میں شکارے تیرتے رہتے ہیں جزیروں میں ریستوران ہیں خوبصورت انداز کی عمارتیں، باغات اور تالاب ہیں تالابوں میں کنول کے پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں تالابوں کے اوپر ٹیڑھے میڑھے لکڑی کے پُل منظر کو اور زیادہ خوبصورت بنا رہے ہیں جھیل میں بڑے جزیرے کے مناظر تو زہد شکن ہیں یہ جگہ شاعروں اور مصوروں کی جنت ہے میں نے کچھ تصویریں یہاں لی ہیں جو انشاء اللہ آئندہ بھیجوں گا لیکن وہ تصویریں اس جزیرے کے حسن کو اس لئے صحیح طور پر نہیں پیش کر سکتیں کہ تصویر میں نقشہ آ جائے گا رنگ کہاں سے آئیں گے ان مناظر کا حسن تو درختوں، پھولوں، تالابوں اور تالابوں میں کھڑی ہوئی عجیب و غریب چٹانوں کے حقیقی رنگوں سے ابھر سکتا ہے اور چین میں رنگین فلم کمیاب ہے بعض دکانوں میں غیر ملکی رنگین فلمیں ملتی ہیں لیکن ان کے دام اتنے ہیں کہ اگر وہ فلمیں خرید لیں تو

بھوکوں مرنا پڑے اس بڑے جزیرے سے جھیل میں سے ہوتی ہوئی ایک بالکل سیدھی سڑک جانے کے لئے ہم پھر کشتیوں میں بیٹھے اس جزیرے کے شمالی پہلو میں جھیل میں نصب تین برجیاں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں ان کا چینی زبان میں نام ''تین تالاب، چاند ہی چاند'' ہے یہاں ان برجیوں میں کسی زمانے میں (اور شاید اب بھی) روشنیاں جلاتے تھے برجیوں کے چاروں طرف چاند کی شکل کے سوراخوں سے روشنی کا عکس جھیل پر پڑتا ہے اور ہر طرف چاند ہی چاند نظر آتے ہیں اس ''تین چاند'' برجیوں سے آگے چل کر ہم سڑک والے حصے پر پہنچے اس کا اپنا حسن ہے یہاں بڑا خوبصورت باغ ہے بارہ دریاں ہیں تالاب ہیں جن میں ہزاروں سنہری مچھلیاں تیر رہی ہیں آپ ڈبل روٹی کے ٹکڑے ڈالئے تو تالاب کی نیلاہٹوں پر ہر طرف نارنجی رنگ ابھر آئے گا اور پھر ان ٹکڑوں پر جھپٹتے ہوئے ان مچھلیوں کی لڑائی ہوگی اور آخر کار سب سے طاقت ور مچھلی نہ صرف یہ کہ ڈبل روٹی کے نوالے کو ہڑپ کر جائے گی ساتھ ہی کسی چھوٹی اور کمزور مچھلی کو بھی۔ پھر ہم کو اس طرف لے جایا گیا جہاں بانسوں کا جنگل ہے۔ بانس کے درختوں کے جھنڈ سبزے کے نئے رنگ پیش کر رہے تھے بڑا دلکش اطلسی منظر تھا اس جنگل میں بنائی گئی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے سیر کی لذت الفاظ میں نہیں سموئی جا سکتی۔ باہر بس ہمارا انتظار کر رہی تھی بس میں ہم جھیل کے درمیان دوڑتی ہوئی پر فضاء سڑک پر شہر کی طرف چل پڑے۔۔۔۔۔۔۔ ہمارا ہوٹل جھیل کے مشرقی کنارے پر ہے۔ ہم ہوٹل کے کمرے کی بالکنی سے فرصت کے لمحات میں جھیل کا نظارہ کرتے ہیں اور خصوصی طور پر غروب آفتاب کا منظر تو بہت ہی حسین ہوتا ہے یارو ہم نے اپنے کشمیر کو آج تک نہ دیکھا تھا ڈل جھیل دیکھنے کی حسرت دل میں رہ گئی تھی اب چھوٹے پیمانے پر یہ جھیل دیکھ کر سمجھ لیا کہ کشمیر بھی دیکھ لیا۔

تمہارا

خاطر غزنوی

حمید اللہ صراف

شنگھائی

26 جولائی 1966ء شام

آج ہمیں یہاں سے 160 کلومیٹر دور چین کا سب سے بڑا بند دکھانے کے لئے لے جایا گیا اس کا نام ''شینگ آن چیا'' ہے یہ ہائیڈرو الیکٹرک اسٹیشن اور بند تمام تر چینی دماغوں ہاتھوں اور اشیاء اور چین کی بنیادی پالیسی ''خود کفالت'' کا بہترین مظہر ہے یہ بند دیکھ کر مجھے ورسک یاد آتا ہے اس کی بجلی کی طاقت چھ لاکھ باون ہزار پانچ کلوواٹ ہے اس میں نو جنریٹر ہیں اور ہر جنریٹر 72,500 کلوواٹ بجلی پیدا کرتا ہے اس میں پانچ جنریٹر کام کر رہے ہیں دو اس سال تیار ہو جائیں گے اور دو کی تیاری کے لئے یہ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے احکامات کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس بند کی بجلی شنگھائی، نان چنگ اور ہانگ چو کے صنعتی اور گھریلو استعمال میں آتی ہے بند کی بلندی 800 فٹ، چوڑائی 1620 فٹ ہے اس بند کے فوائد میں بجلی، سیلاب کی روک تھام، آب پاشی رسل و رسائل اور ماہی پروری شامل ہیں اس کی 1957ء میں تعمیر شروع ہوئی تھی اور اپریل 1960ء میں اس کے پہلے جنریٹر نے کام شروع کر دیا یہاں سے ہم شام کو تھکے ماندے واپس آئے کچھ ہوش نہ تھا آتے ہی سو گئے۔

تمہارا

خاطر

27 جولائی 1966ء

صبح چائے کے باغات دیکھنے گئے چائے کی پتیاں چننے سے لے کر ان کو بھون کر تیار کرنے تک کے سارے مراحل دیکھے معلوم ہوا کہ ''یاسمین چائے'' دراصل موتیا کے پھولوں میں بسائی جاتی ہے اور اس لئے یہاں موتیا کے پھولوں کے ہزاروں گملے پڑے تھے آپ کے لئے چائے کی تازہ پتیاں اور بہترین چائے اس خط میں بھجوا رہا ہوں۔ جس شہر کی سیر کو ہم آئے ہیں تو یہ شہر باغات ہے اور باغات بھی بڑے سلیقے کے، باغ میں کئی شالامار اور کئی شاہی باغ نکلتے ہیں۔ سڑکیں درختوں کے چھتناروں میں سے گزرتی ہیں بڑی خوشگوار اور خوبصورت۔۔۔۔۔۔ ایک سینٹی ٹوریم دیکھا اور مری کے مناظر یاد آ گئے بے حد پرفضاء مقام پر بنا ہے اس میں 870 بستر ہیں لیکن آدمی زیادہ نہ تھے یہاں اکوپنکچر طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔

آج شام چھ بج کر اڑتالیس منٹ پر ڈبل ڈیکر ریل میں شنگھائی کے لئے روانہ ہوئے رات سوا نو بجے شنگھائی پہنچے راستے میں ریل کی ملازم لڑکیاں پل پل بعد آتیں اور چین کی خاص رسم پوری کرتیں یہ رسم یوں ہے کہ مہمان جہاں بھی پہنچے یہ خوشبو میں بسا ہوا (سردیوں میں گرم پانی میں بھگویا ہوا اور گرمیوں میں سرد پانی میں بھگویا ہوا) چھوٹا سا تولیہ پیش کرتی ہیں مہمان اس سے ہاتھ منہ صاف کر کے تازہ دم ہو جاتا ہے غرض ہمیں ذرا ذرا دیر بعد تولیہ دیا جاتا ریل میں ہمیشہ ہر سیٹ کے سامنے میز پر گلاس یا چائے کے پیالے پڑے ہوتے ہیں ان میں گرم (چائے کی پتی کی پڑیاں بھی ریل میں بیچی جاتی ہیں تاکہ مسافر چائے پیتے رہیں ہر دس منٹ بعد چائے کے پیالے میں گرم پانی ڈال دیا جاتا ہے اور یوں چائے میں بار بار پانی سے اس کا ذائقہ رفتہ رفتہ نکھرتا چلا جاتا ہے۔

تمہارا

خاطر

فارغ بخاری

شنگھائی

28-07-66

ہمیں شنگھائی میں شنگھائی کے چھ سب سے بڑے ہوٹلوں میں سے ایک خہ پھنگ یعنی ''امن'' ہوٹل میں ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ گیارہ منزلہ ہے سب سے اونچا ہوٹل 25 منزلہ ہے۔ یہ چین کا واحد شہر ہے جہاں غیر ملکی قدموں کے گہرے نقوش اب تک موجود ہیں۔ شنگھائی یورپ کا کوئی شہر معلوم ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو یہ سو سال سے زیادہ مغربی طاقتوں کے قبضے میں رہا ہے۔ شنگھائی شہر میں دریائے ننگ پو کے کنارے مغربیوں نے ایک کالونی بنائی اور اس کے دروازے پر یہ الفاظ لکھ کر آویزاں کئے گئے تھے ''چینیوں اور کتوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں''۔۔۔۔۔۔ دریا کے کنارے کنارے جسے ''بند'' کہتے ہیں پشتے کے ساتھ فٹ پاتھ ہے جہاں بنچ پڑے ہیں پھر اس کے ساتھ ساتھ بڑے خوبصورت گھاس اور پھولوں کے قطعے ہیں۔ پھر سڑک ہے اور سڑک کے پار شنگھائی کی بلند ترین عمارتیں کھڑی ہیں۔ ہمارا ہوٹل ان عمارتوں میں سے ایک میں ہے اور ہم ہوٹل کی آٹھویں منزل سے دریا میں جہازوں، سٹیمروں اور کشتیوں کا تماشہ دیکھتے ہیں لوگ فٹ پاتھ پر بیٹھ کر دریا کا نظارہ کرتے ہیں۔ شنگھائی

میں ہمیں پیکنگ کے برعکس زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہاں ہوٹل دکانیں، بازار لوگوں سے پٹے ہوئے ہیں۔ لڑکیوں کے چہروں پر پیکنگ کی لڑکیوں کے برعکس بے باکی اور آنکھوں میں شوخی۔ شام ہم نے فٹ پاتھوں کے بنچوں پر لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک دوسرے سے کھلم کھلا پیار کرتے دیکھا فوراً یہاں سے بھاگے کہ کہیں ہمیں بھی کسی پر پیار نہ آجائے۔

شنگھائی کا رقبہ 5900 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے جس میں ساٹھ لاکھ خالص شہر کی آبادی ہے اور چالیس لاکھ مضافات کی۔ شنگھائی چین کے سب سے بڑی صنعتی اور زراعتی علاقوں میں سے ہے۔ یہاں موسمیاتی آلات، سبھی قسم کی ہلکی بھاری مشینیں، بجلی کا سامان، سبھی قسم کے اوزار اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ شنگھائی میں بسیں کاریں، موٹر سائیکل، بجلی کی کپڑا سینے کی مشینیں سبھی کچھ بن رہا ہے۔ یہاں ایک ہائیڈرو پریس چینیوں نے خود بنایا ہے۔ جو دنیا کے پانچ عظیم ہائیڈرو پریسوں میں ایک ہے۔ یہاں پچاس ہزار کلوواٹ، بجلی کا جنریٹر، الیکٹرانک کمپیوٹر، الیکٹرانک میگنی فائنگ آپریٹس تیار ہوتے ہیں۔ میگنی فائینگ آپریٹس میں ایک ماچس کی تیلی رکھی جائے۔ تو وہ کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی جتنی بڑی دکھائی دیتی ہے، شنگھائی میں 20 کالج اور یونیورسٹیاں ہیں جن میں پچاس ہزار سے زیادہ طالب علم پڑھتے ہیں۔ 550 سے زیادہ ہائی سکول ہیں جن میں چھ لاکھ ستر ہزار سے زیادہ طلبہ پڑھتے ہیں۔ سات ہزار سے زیادہ پرائمری اسکول ہیں جن میں پچیس لاکھ چالیس ہزار طلباء پڑھتے ہیں۔ سات ہزار سے زیادہ پرائمری سکول ہیں جن میں پچیس لاکھ چالیس ہزار طلباء پڑھتے ہیں۔ یہاں نصف وقت تعلیم اور نصف وقت کام کا سلسلہ بھی چلتا ہے۔

چین کے دوسرے شہروں میں بھی یہ نیا طریقہ رائج ہے یہاں اٹھارہ ہزار جز وقتی تعلیم اور کام والے طلباء ہیں، شنگھائی نے زراعت کے میدان میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ آزادی کے بعد یہاں تعمیرات بھی بہت ہوئیں۔ کوئی چوراسی لاکھ مربع میٹر زمین پر مکانات تعمیر کئے گئے ہیں۔ شنگھائی بہت بڑا ثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں ڈرامے کی اقسام دس ہیں۔ ڈرامامنڈلیاں ستر ہیں جو باقاعدہ تھیٹروں میں کام دکھاتی رہتی ہیں۔ یہ فن کار اکثر کمیونوں، دہقانوں اور فوجی مرکزوں اور کارخانوں میں جا کر مزدوروں، فوجیوں اور کسانوں کو تماشے دکھاتی ہیں ایک سو چالیس سے زیادہ سینما ہیں اور ایک سو چالیس پروجکٹنگ ٹیمیں ہیں جو باہر جا کر فلمیں دکھاتی ہیں شنگھائی کی اخلاقی حالت آزادی سے پہلے بہت پست تھی، بدمعاشی، چوری، دھوکہ بازی بہت عام تھی، اب ایسی کوئی بات نہیں، پیار کرنے والے کھلم کھلا پیار اس لئے کرتے ہیں کہ وہ یا تو مرضی کی شادی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں یا پھر اپنے لئے شادی کی زنجیریں تیار کرتے ہیں۔

آج ہم نے یہاں کی صنعتی اور زراعتی نمائش دیکھی اور آنکھیں روشن ہوگئیں یہ یہاں کی مستقل نمائش گاہ ہے جو کسی شاہی محل سے بھی زیادہ عظمت و شوکت کی حامل ہے سوئی سے لے کر بڑی سے بڑی چیز، کپڑا کھلونے، بجلی کا سامان، کیمیکل غرض ہر چیز موجود ہے اس نمائش گاہ کے آٹھ حصے ہیں۔ (۱) موسمیات (۲) مشینیں اور بجلی (۳) میٹر اور اوزار (۴) کیمیکل (۵) اوزار جراحت (ایکسرے سے لے کر زخم سینے کے دھاگے تک) (۶) صنعت (۷) کپڑا (۸) دستکاریاں، یہ نمائش گاہ 1958ء میں قائم ہوئی اور اب اس میں ہر سال نئی مصنوعات کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں بے بی کار درمیانی اور بڑی کاریں اور 35 ہارس پاور کے ٹریکٹر دیکھے آج رات یہ ہمیں ایک اور مقام پر لے گئے جس کا نام ''عظیم دنیا'' ہے۔

''تاشہ چنے'' یہ عظیم دنیا دراصل ایک تفریحی مقام ہے جو سال کے بارہ مہینے عوام کے لئے کھلا رہتا ہے اور اس کے

لئے بڑی خوبصورت عمارت بنائی گئی ہے اس میں دوپہر بارہ بجے سے رات کے دس بجے تک تفریح کے لئے آنے کی اجازت۔ داخلہ صرف 25 سینٹ یعنی اٹھنی ہے آپ اندر کی ہر چیز مفت دیکھ سکتے ہیں اس عمارت میں چار منزلیں ہیں ہر منزل میں تھیٹر، جمنازیم، چینی آپیرہ اور خصوصی ''گیتوں بھری کہانی'' اور بچوں کی دلچسپی کے لئے کھیل ہوتے ہیں اس عمارت میں داخل ہوتے ہی ہر آنے والے کا چند مڑے تڑے آئینے استقبال کرتے ہیں جن میں آدمی کی شکلیں عجیب وغریب بن جاتی ہیں کہیں آدمی ''عطا حسین کلیم'' بن جاتا ہے تو کہیں ''خیرات حسرت'' کہیں بھولو پہلوان نظر آتا ہے تو کہیں ''مرزا عزیز الرحمان'' اگر آپ کو یاد ہو تو ان آئینوں کی ایک بھونڈی سی صورت پچھلے جشن خیبر میں آپ نے دیکھی ہوگی ۔۔۔۔۔تو گویا آدمی ''عظیم دنیا'' میں داخل ہوتے ہی ان قہقہوں کے آغوش میں آجاتا ہے یعنی حزین اور ملول شخص کا بھی داخل ہوتے ہی موڈ بدل جاتا ہے اور پھر تفریح کا حقیقی لطف آتا ہے۔ ہمیں پہلے چوتھی منزل پر لے جایا گیا جہاں ہم نے رات کے وقت شنگھائی کا نظارہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ شنگھائی کا وہ علاقہ جو دریا کی طرف ہے۔ روشنیوں سے جگمگا رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف کئی علاقے اندھیروں میں لپٹے ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔اس کے بعد ''اوپن ایر تھیٹر'' دیکھا یہاں گیتوں بھری کہانی سنائی جارہی تھی ۔۔۔۔یہاں کے دو علاقوں ''سوچو'' اور ''ہانگ چو'' میں قدیم زمانے سے ''گیتوں بھری کہانی'' کا رواج ہے لوگ ایک منڈوے میں جمع ہوتے ہیں اور داستان گو لڑکیاں قطار میں کرسیوں پر بیٹھ جاتی ہیں ان کے ہاتھوں میں چینی گٹار ہوتا ہے۔ ایک لڑکی ان سے ذرا فاصلے پر ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتی ہے اور وہ سخت لیکن ذرا ڈرامائی انداز کے ساتھ کہانی شروع کرتی ہے۔ اس کے بعد ایک مقام ایسا آتا ہے کہ وہ اپنا ساز چھیڑتی ہے اور نغمہ شروع ہو جاتا ہے ۔ یہ نغمات اکثر کورس کی صورت میں ہوتے ہیں کبھی کبھی تنہا گانا بھی ہوتا ہے ۔ ۔۔۔۔۔''سوچو'' اور ''ہانگ چو'' کے لوگ اس پرانی داستان گوئی کے عاشق ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ہم تیسری منزل پر آئے۔ یہاں دو ہال ہیں جن پر چینی ڈرامے، تفریح کیلئے نشانہ بازی اور دوسرے کھیل، زور آزمائی کی مشقیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ رکھا تھا۔ اس کے برابر ایک اور تھیٹر ہے جس میں جاپان کے ساتھ چینی مدافعتی جنگ کے سلسلے کی ایک کہانی دکھائی جارہی تھی۔ بالکل نیچے مرکزی مقام پر جسمانی کرتب ہو رہے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ہمیں نیچے جسمانی کرتب دکھانے کے لئے لے جایا گیا۔ ''عظیم دنیا'' کی منتظم ہمیں قدم قدم پر اس عظیم دنیا سے متعارف کرا رہی تھی۔ نیچے مرکزی اوپن ایر تھیٹر میں جہاں جسمانی کرتب دکھائے جارہے تھے ۔اگلی نشستوں میں بٹھایا گیا۔ اور ہمیں اس ''عظیم دنیا'' کا تعارفی رنگین مصور پمفلٹ دیا گیا۔ اس اوپن ایر تھیٹر کے ساتھ ملحق اس ''عظیم دنیا'' کا سینما ہاؤس بھی ہے۔ رات دس بجے ہم اس عظیم دنیا سے واپس آئے کچھ دیر دریا کے کنارے سیر کی، لوگوں کا تماشا کیا، لوگوں کا تماشا بنے۔

آج کا تماشہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ خاطر

تاج سعید

پیکنگ

8 جولائی 1966ء

عزیزم تاج سعید، سلام مسنون۔ چین آکر اپنے ملک کی کیا کیا چیز یاد نہ آئی یہاں تو یہ حال ہے کہ وہ باتیں جو اپنے وطن میں حافظے سے بالکل محو ہو گئی تھیں یاد وہ باتیں جنہیں ذرا بھر اہمیت نہ دیتا تھا اب نہ صرف ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں بلکہ

تڑپانے لگیں۔ بعض غیر اہم باتیں پہاڑ بن کر ذہن میں چپک گئیں لیکن وہ باتیں جن کا ولایت اور چین ۔ سے تعلق تھا وہ یقیناً یاد تھیں بلکہ تحقیق کے لئے آمادہ کر رہی تھیں، تمہارا ارژنگ تو ان میں سب سے اہم تھا۔

تم ندیم نمبر نکال رہے ہو۔ میاں ندیم صاحب پر تو بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے بلکہ پشاور میں ان پر ایک مضمون لکھ چکا ہوں جو خدا جانے اب کس کونے کھدرے میں پڑا ہوگا۔ ندیم صاحب کی تصاویر کا جہاں تک تعلق ہے ان کا چین میں دستیاب ہونا ناممکنات میں سے ہے البتہ ان کی دو تصویریں میں اپنے ساتھ یہاں لے آیا تھا وہ تمہیں بنوا کر بھجوا دوں گا مضمون کے لئے یہاں وقت کہاں ۔ یہاں تو ہر وقت کام کا وہ عالم رہتا ہے جو پاکستان میں صرف امتحان کے دنوں میں ہوتا ہے بس یوں سمجھ لو کہ یہاں سال بھر امتحان سر پر سوار ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب صاف انکار بھی نہیں عنقریب ہماری گرمی کی چھٹیاں شروع ہونے والی ہیں ان تعطیلات میں ندیم صاحب پر اپنے منتشر خیالات جمع کر کے بھیجوں گا۔

اب رہا ارژنگ کے معاملے میں تحقیق کا سوال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سلسلے میں میں نے کوشش کی لیکن ابھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن جب سے آیا ہوں، چین کی مصوری کا دھیان ہر وقت ذہن میں رہتا ہے تمہیں سعید! حیرت ہوگی کہ اب چین نہ وہ چین رہا ہے جسے تصویروں میں دیکھا کرتے تھے نہ وہ مصوری ہے جو چین سے منسوب تھی حقیقت یہ ہے کہ چین اب بدل گیا ہے اس لئے اس کی ہر چیز بدل گئی ہے یہ بات کسی قدر تشریح طلب ہے اور میں کسی قدر تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں چین کے بدلے جانے کا سبب اس کی نوے فیصدی غریب کسانوں اور مزدوروں کی آبادی ہے۔ 1949ء سے پہلے چین کے حالات مختلف تھے۔ یہاں جاگیردارانہ نظام رائج تھا ایک زمیندار سارے گاؤں کا خدا ہوتا تھا سارے کسان مزدور اس کے زیر نگیں اس کی رعایا اور اس کے غلام ہوتے تھے زمینداروں کا تعلق براہ راست حکومت سے ہوتا تھا اور وہ اپنی درباداری اور مختصر فوج کے بل بوتے پر ہر قسم کا ظلم روا رکھتے، غریبوں کا خون چوستے، ان سے جانوروں کی طرح کام لیتے، کسان جس زمین میں ہل چلاتے جس زمین میں غلہ بوتے اس کے حاصل سے انہیں ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا بلکہ اس کے بدلے انہیں بھوک اور اذیت بخشی جاتی۔ یہاں کے حالات سارے ملکوں سے بالکل مختلف تھے پھر یہ کسان اور مزدور جاگ اٹھے انہوں نے بھر کر ان زمینداروں سے اپنے مقتول عزیزوں اور رشتہ داروں اور اپنی معصوم بچیوں کی بچی ہوئی عصمتوں کا بدلہ لے لیا اور جاگیردارانہ نظام کا تختہ الٹ دیا اب سارے چین پر ان غریب کسانوں اور مزدوروں کی حکومت ہے اور اسے یہ لوگ سوشلسٹ نظام کہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ کمیونزم یا اشتراکیت بہت آگے کی چیز ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے انہیں سوشلزم کی شاہراہ سے گزرنا ہے ۔۔۔۔۔۔ یہ حالات تھے جن کا چین کی آزادی حاصل کرنے کے بعد بڑا اثر پڑا ہے، ادب، آرٹ، موسیقی اور فلم سارے فنون لطیفہ اس سے متاثر ہوئے آج کے چینیوں کا خیال ہے کہ آزادی سے پہلے چین کا ادب آرٹ موسیقی اور فلم سب سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے لئے تھا اب چین مجبور بنا دینے والے خیالات پرانے کپڑوں کی طرح ذہن سے اتار چکا ہے چنانچہ اس بات کی تصدیق چین کے عظیم رہنما (سیاسی کہنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ اب چین میں سیاست اول اور سیاست آخر ہے ۔ اور اس کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں) ماؤزے تنگ نے 1940ء میں اپنے مقالے ''نئی جمہوریت'' میں کہا ہے کہ ''چین کے کلچر کے لئے لازمی ہے کہ وہ محنت کش مزدوروں اور کسان عوام کی جو چین کی ساری آبادی کا نوے فیصد ہیں خدمت کرے اور رفتہ رفتہ صرف ان کا ہو جائے''۔

چنانچہ 1949ء میں آزادی کے بعد یہ کلچر تمام تر ان مزدوروں اور کسانوں کا ہو گیا۔ ہر چیز کو عوامی بنانے کی

جدوجہد جاری ہے اور اسے مزید ''عوامی'' بنانے کے لئے مزید جدوجہد ہو رہی ہے چنانچہ ان دنوں یہاں چین میں ایک تہذیبی انقلاب آیا ہوا ہے جس پر یہاں کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی کے پروپیگنڈہ ڈیپارٹمنٹ کے ڈپٹی ڈائریکٹر چھویانگ نے اپنی ایک تقریر میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اس کے مضمون کا ایک مختصر پیرا یہاں درج کر دینا کافی ہوگا۔

''کیا آرٹ اور لٹریچر کو مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کی خدمت کرنی چاہیئے یا بورژوا اور دوسرے مطلب پرست طبقے کی؟ کیا ادب اور آرٹ کو سوشلزم کی خدمت کرنی چاہیئے یا سرمایہ دار طبقے کی کیا ادب اور آرٹ کو مارکسزم، لینن ازم اور ماؤزے تنگ کے خیالات کے راستے پر چلنا چاہیے یا موجودہ رجعت پرستوں کی راہ پر۔۔۔۔؟ یہ ادب اور آرٹ کے محاذ پر پرولتاری اور بورژوا طبقوں کے درمیان کشمکش کا سوال ہے اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام کے راستوں کے درمیان کشمکش کا سوال ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اس واضح نقطہ نظر کی روشنی میں یہاں کی زندگی، یہاں کا ادب، یہاں کا آرٹ اور یہاں کی موسیقی سب مقصدی ہو کر رہ گئی یہاں اب اگر آپ ادب و آرٹ اور موسیقی میں نئے لطیف پہلو تلاش کریں تو آپ کی تلاش بے سود ہوگی یہاں آزادی سے پہلے عورتیں نہایت عمدہ اور نفیس ریشمی لباس پہنتی تھیں جو ان کے پاؤں تک لٹکتے تھے اور جب وہ چلتے ہوئے ٹانگوں کی۔۔۔۔۔۔ سے کھلتے تو معلوم ہوتا کہ کسی نے کانچ کے بلوریں شفاف شیشوں پر سے ریشم کا غلاف اتار دیا ہے کمر پر مزید ٹپکا باندھا جاتا، بال انتہائی حسن و لطافت سے بنا کر جوڑا سر پر گوندھا جاتا اور ان کے نکلتے ہوئے قد کو مزید سرو قد بنا دیتا لیکن وہ عورت بھی کہیں نظر نہیں آتی لمبے لمبے ریشمی کپڑے و پڑے پھینک دیئے گئے ہیں اب سردیوں میں ڈھیلی ڈھالی پتلون اور روئی دار بنڈی اور گرمیوں میں سایہ دار جمپر ان کا لباس ہے بال کاٹ دیئے گئے ہیں عورتوں کے لمبے بالوں سے بھی یہاں کام لیا جاتا ہے کل رات ہی میں نے ایک فلم دیکھی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ چینی کس طرح دشمن کے راستے میں بارودی سرنگیں بچھاتے ہیں اور اس سلسلے میں عورتوں کے بالوں سے کام لیتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اگر دشمن کو ان کی بارودی سرنگوں کا علم ہو جائے اور وہ بم زمین سے نکالنا چاہے تو بال اس کو نظر نہ آئے۔ بم بعض اوقات دشمن کی لیبارٹریوں میں معائنے کے دوران بھی پھٹ کر ان کو ختم کر دیتے ہیں اب چین کی عورت کی شکل ہمارے ہاں کے کبوتر بازوں کی ''گٹی'' کی طرح بن کر رہ گئی ہے حسن اب قحط بن کر رہ گیا ہے۔

چین کی قدیم عورت کے پاؤں میں لڑکپن سے لوہے کے جوتے پہنا دیئے جاتے تھے تاکہ ان کے پاؤں بڑے نہ ہوں پائیں اور وہ کسی آشنا کے ساتھ بھاگ نہ سکیں اور سرمایہ دار کے گھر کی لونڈی بنے اب وہ عورت بوڑھی ہو چکی ہے اور خال خال بازاروں میں گھسیٹتی نظر آتی ہے نئے معاشرے کی عورت لوہے کے بوٹ سے نا آشنا ہو چکی ہے۔

یہاں اب ناول افسانے اور نظمیں راست (Direct) خیالات کی حامل ہیں ان میں سیدھی سیدھی باتیں ہوتی ہیں زیادہ پیچ دار اور نازک تشبیہات نہیں۔

باقی آئندہ

آپ کا
خاطر

حواشی

۱۔ خاطر غزنوی شخصیت اور شاعری، مقالہ ایم فل غیر مطبوعہ، اسحاق وردگ، ص ۳ جامعہ پشاور پاکستان۔

۲۔ شعبہ اردو کی تاریخ وخدمات، محمد وارث خان، ص ۱۹، یونیورسٹی پبلشرز پشاور، ۲۰۰۷۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۷

۴۔ مباحث ششماہی لاہور، مدیر ڈاکٹر تحسین فراقی، ص ۳۶۹

۵۔ ''ناتمام کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' مقالہ ایم اے غیر مطبوعہ، مشتاق احمد ص ۴ جامعہ پشاور پاکستان

۶۔ شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی پشاور میں تحقیق کی روایت مقالہ مقالہ ایم فل غیر مطبوعہ، ص ۱۱، حافظ عبدالخالق، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور پاکستان

۷۔ راقم کا میاں سعید الرحمٰن سے بالمشافہ گفتگو بتاریخ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۲

۸۔ شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی پشاور میں تحقیق کی روایت مقالہ ایم فل غیر مطبوعہ، ص ۱۵ حافظ عبدالخالق اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

۹۔ ''تحریک پاکستان اور صوبہ سرحد'' اقبال ریاض عظیم پبلشرز ۲۰۰۰

۱۰۔ ''ناتمام کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

۱۱۔ ادبیات سرحد جلد سوم ص ۶۵۶ فارغ بخاری نیا مکتبہ پشاور ۱۹۵۵

۱۲۔ شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی پشاور میں تحقیق کی روایت مقالہ ایم فل غیر مطبوعہ ص ۱۲-۱۱، حافظ عبدالخالق اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

۱۳۔ راقم کا میاں سعید الرحمٰن سے بالمشافہ گفتگو بتاریخ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۲

۱۴۔ راقم کا فرزند سلیم گیلانی سے ٹیلی فونک گفتگو بتاریخ ۲۷ ستمبر ۲۰۱۲۔
سلیم گیلانی صاحب کی تاریخ پیدائش بحوالہ شناختی کارڈ ہے۔

۱۵۔ راقم کا میاں سعید الرحمٰن سے بالمشافہ گفتگو بتاریخ ۱۷ ستمبر ۲۰۱۲

۱۶۔ ایضاً